ہفت روزہ
ندائے خلافت
لاہور
۱۵/ نومبر ۱۹۹۴ء

☆ راہِ وفا کا ۱۹ واں سنگ میل---ایک رپورٹ

☆ شَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْ اَهْلِهَا---- موجودہ صحافت

☆ کاش! خلفائے عثمانی نے محلوں کو سرائے ہی سمجھا ہوتا!

حدیثِ امروز

ایک مرگِ ناگہانی اور ہے

وطن عزیز کے سیاسی نظام پر نزع کا عالم طاری ہے اور یہ شعر اب اس پر پوری طرح صادق آتا ہے کہ " ہو چکیں غالب بلائیں سب تمام ' ایک مرگِ ناگہانی اور ہے " لیکن ہمیں اس سڑاند اٹھاتی سیاست سے کیا ہمدردی جو ملک میں بالفعل موجود نظام اجتماعی کے شجرۂ خبیثہ کے برگ و بار کا حصہ ہے' خود نظام سے ہی دشمنی ہے جسے ہم بیخ و بن سے اکھاڑ پھینکنا چاہتے ہیں۔ البتہ اس ملک کی خیر و عافیت ضرور مطلوب ہے جو ہماری امنگوں آرزوؤں کا گہوارہ ہے اور یہ مضمون کئی بار ہم نے جناب نعیم صدیقی کے اس شعر کی مدد سے باندھا ہے کہ۔

اے آندھیو سنبھل کے چلو اس دیار میں
امید کے چراغ جلائے ہوئے ہیں ہم

اپنے جذبات کی ترجمانی میں اسے بار بار دہرانا بھی ہم پر بار نہیں۔ پرانے زمانے کی ایک مشہور قوالی میں یہ مصرعہ درجنوں بار دہرایا جاتا تھا کہ " میری دنیا لٹ رہی تھی اور میں خاموش تھا " ۔ ایسی "خاموشی" کو یوں کورس میں فضا کے سکون کو ارتعاش سے آشنا کرنے کی اجازت دی جاسکتی تھی تو ہم پر اپنی امید کے چراغ کو بجھنے سے بچانے کی غرض سے واویلے پر قدغن کیوں ہو!۔

حزب مخالف کے قائد نے شاید داتا دربار میں جا کر قسم کھائی ہے کہ کھیلیں گے نہ کھیلنے دیں گے اور چشم بددور' ہماری وزیرۂ عظمیٰ صاحبہ کو چومکھی لڑائی کے اس گھمسان کے رن میں بھی بیرونی دوروں کا شوق چین سے بیٹھنے نہیں دیتا۔ امور مملکت کے سلسلے میں ظاہر ہے کہ انہیں اشارے کنائے میں ہی کچھ کہنے کی فرصت ملتی ہوگی وگرنہ دراصل وہ وزیروں مشیروں اور معاونین عمومی و خصوصی کے سپرد ہیں اور "فکر ہر کس بقدر ہمت اوست" ۔ ان میں سے اکثر اپنی نااہلی کا "لوہا" منوا ہی چکے ہیں جس کے چنے آخر تو اسی قوم کو چبانے ہوں گے۔ یہ بدقسمت قوم اپنی سیاسی قیادت اور من پسند یا زبردستی کے حکمرانوں کی چھوٹی بڑی غلطیوں کا خمیازہ روز اول سے ہی بھگتتی آرہی ہے اور "اب یہی روزگار ہے اپنا" تو چلئے چندے اور سہی لیکن مشکل یہ آن پڑی کہ وقت کے پہیئے کی رفتار ان دنوں بہت تیز ہو گئی ہے جسے "جام" کرنے کی کوئی کوشش کامیابی سے ہمکنار ہوتی نظر نہیں آتی۔ کوئی سیاسی نظام تو اپنے ہاں سرے سے موجود ہی نہیں۔ گنجی نہائے کیا' نچوڑے کیا۔ لہٰذا اس بارے میں کچھ زیادہ فکر کی بات نہیں' اے صاحبان فہم و ذکاء ! خیر مناؤ قوم کے مستقبل کی جو دراصل اس کے نظریہ حیات' سماجی اقدار اور معیشت کے بنیادی ڈھانچے کی استواری سے وابستہ ہے۔ ان میں شب و روز محسوس و غیر محسوس انداز میں بنیادی' سریع الاثر اور دور رس تبدیلیاں لائی جارہی ہیں' کچھ جان بوجھ کر اور کچھ ماحول اور عالمی دباؤ کے تحت بامر مجبوری۔ اور "یہ کوئی دن کی بات ہے اے مرد ہوش مند" کہ پاکستان کی صورت پہچاننے میں خود باشعور پاکستانیوں کو دشواری ہونے لگے گی۔
پھر وقت کے قاضی کا یہ فتویٰ بھی گرہ میں باندھ لیجئے کہ اپنی (باقی صفحہ ۲۲ پر)

قیمت: ۶ روپے

الھدیٰ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

یہ لوگ تو اب صرف اس بات کے منتظر ہیں کہ آجائے ان پر اللہ بدلیوں کے سائے میں اور فرشتے' اور معاملہ چکا دیا جائے' اور اللہ ہی کی طرف تمام معاملات لوٹا دیئے جائیں گے ○

(کہ جو لوگ اللہ کی جانب سے ان واضح تنبیہات اور روشن ہدایات کے بعد بھی جادۂ مستقیم پر گامزن نہیں ہوتے بلکہ شیطان کی پیروی پر تلے ہوئے ہیں' ان پر اتمام حجت گویا آخری درجے میں ہو چکی ہے' وہ اگر اب بھی کسی چیز کے منتظر ہیں تو گویا اب کسر صرف اس بات کی ہے کہ اللہ انہیں اپنے جلال کی ایک جھلک اس طور سے دکھائے کہ خود اللہ ایسی بدلیوں کے ساتھ جلوہ افروز ہو کہ جن میں اس کا عذاب پوشیدہ ہو اور اس کے فرشتوں کی افواج بھی صف آراء ہو جائیں اور پھر بلا تاخیر ان کا حساب چکا دیا جائے' گویا حق و باطل کی اس کشمکش کا آخری فیصلہ آج ہی کر دیا جائے۔ تاہم یہ تمام معاملات اللہ ہی کے ہاتھ میں ہیں۔ وہی بہتر جانتا ہے کہ کس قوم کا فیصلہ کب ہونا ہے اور کس طور سے ہونا ہے!)

سورۃ البقرہ

(آیات ۲۱۰ تا ۲۱۱)

بنی اسرائیل سے پوچھو' ہم نے انہیں کتنی کھلی کھلی نشانیاں عطا کیں'

(کہ یہ بنی اسرائیل جو آج تمہیں بہکانے اور پھسلانے پر کمربستہ ہیں اور جو درپردہ منافقین مدینہ کی سرپرستی کر رہے ہیں' ذرا ان ہی سے پوچھو کہ اللہ نے انہیں کیسی کچھ واضح ہدایات سے نوازا اور کتنے بڑے بڑے معجزے دکھائے' لیکن یہ سب کچھ دیکھنے کے بعد بھی جب انہوں نے عقل اور سمجھ سے کام نہیں لیا بلکہ دین حق سے انحراف کی روش برقرار رکھی تو اسی دنیا کی زندگی میں ان پر بڑے بڑے عذاب مسلط کئے گئے۔ سچی بات یہ ہے کہ ایمان و ہدایت کا راستہ انہی لوگوں پر کھلتا ہے جو سیدھی راہ پر آنے کے متمنی ہی نہیں ہوتے اپنی عقل اور سمجھ سے بھی کام لیتے ہیں اور جو لوگ دنیا کی محبت میں اندھے بہرے ہو چکے ہوں وہ دنیا جہان کے معجزے دیکھ کر بھی اپنی کجروی سے دستبردار ہونے پر آمادہ نہیں ہوتے!)

ترجمانی : حافظ عاکف سعید

اور جو کوئی بدل ڈالے اللہ کی نعمت کو' اس کے بعد کہ وہ اس تک پہنچ گئی ہو' تو یقیناً اللہ سخت عذاب دینے والا ہے ○

(کہ جن لوگوں کا طرز عمل یہ ہو کہ وہ اللہ کی نعمت' یعنی ہدایت اور شریعت کی قدر کرنے اور اس کو ایمان و ہدایت کا ذریعہ بنانے کی بجائے اس کی ناقدری کر کے اس کو کفر کا ذریعہ بناتے ہوں' وہ درحقیقت ہدایت کو ضلالت سے اور نعمت کو نقمت سے بدل رہے ہیں۔ اور اللہ کی مستقل سنت یہ ہے کہ وہ ایسے لوگوں کو سخت عذاب سے ضرور دوچار کرتا ہے!)

جوامع الکلم

وہ شخص قرآن پر ایمان نہیں رکھتا جس نے قرآن کی حرام کردہ شے کو اپنے لئے حلال کر لیا ہو

(کہ انسان کا عمل اگر قرآن کے مطابق نہیں ہے اور قرآن کے بتائے ہوئے حلال و حرام کی پابندی اگر اسے گوارا نہیں ہے تو ایمان کا زبانی دعویٰ پھر بے معنی ہے۔ وہ ایمان کیسا ہے کہ جو انسان کے رویئے اور عمل پر اثر انداز نہیں ہوتا! اگر کسی نے قرآن حکیم کی کسی حرام کردہ شے مثلاً سود' شراب' زنا یا کسی بھی اور حرام شے کو مستقل طور پر اپنے معمولات میں شامل کر لیا ہو تو ازروئے فرمان نبویؐ اس شخص کا قرآن پر ایمان ہی معتبر نہیں!!)

(جامع ترمذی بروایت حضرت صہیبؓ)

تا خلافت کی بنا دنیا میں ہو پھر استوار
لا کہیں سے ڈھونڈ کر اسلاف کا قلب و جگر

تحریکِ خلافت پاکستان کا نقیب

ہفت روزہ
ندائے خلافت
لاہور

جلد ۳ شمارہ ۲۴
۱۵/ نومبر ۱۹۹۴ء

21

مدیر
اقتدار احمد

معاون مدیر
حافظ عاکف سعید

یکے از مطبوعات
تحریکِ خلافت پاکستان
۴ اے مزنگ روڈ۔ لاہور

مقام اشاعت
۳۶۔ کے، ماڈل ٹاؤن، لاہور
فون: ۸۵۶۰۰۳

پبلشر: اقتدار احمد طابع: رشید احمد چودھری
مطبع مکتبہ جدید پریس ریوے روڈ، لاہور

قیمت فی پرچہ: -/۶ روپے
سالانہ زرتعاون (اندرون پاکستان) -/۱۲۵ روپے
زرتعاون برائے بیرون پاکستان
سعودی عرب، متحدہ عرب امارات، بھارت ——— ۱۲۰ امریکی ڈالر
مسقط، عمان، بنگلہ دیش ———
افریقہ، ایشیا، یورپ ———
شمالی امریکہ، آسٹریلیا ———

اداریہ

خون خرابے کا ذمہ دار کون؟

اخباری اطلاعات کے مطابق صوبہ سرحد کے چند علاقوں یعنی مالاکنڈ، سوات، دیر، بونیر اور کوہستان میں بھی ان دنوں حالات نے بہت نازک صورت اختیار کر لی ہے اور بعض مقامات پر تو بلا مبالغہ مسلمان عوام اور حکومت کے مسلح دستوں میں صرف حالت جنگ ہی نہیں بلکہ ان کے درمیان گھمسان کا رن پڑا ہوا ہے۔ افسوس کہ ملّا کی دوڑ جیسے مسجد تک ہوتی ہے ویسے ہی ہمارے اخبارات کی رسائی بھی صرف واقعات تک ہے۔ وہ ان کے پس منظر پر بروقت روشنی ڈالنے میں ناکام رہتے ہیں جس کے باعث اخبار بین طبقہ بھی جو باخبر سمجھا جاتا ہے، بہت دیر بعد متعلقہ واقعات کی تہ تک پہنچنے میں کامیاب ہوتا ہے۔ رہا سرکاری ذرائع ابلاغ کا معاملہ تو ریڈیو اور ٹیلی ویژن نے تو یا ہی ڈبو دی ہے۔ یہ کم سے کم اپنے ملک کے بارے میں تو "انفرمیشن" سے زیادہ "ڈس انفرمیشن" پھیلاتے ہیں۔

دوسری طرف یہ بھی حقیقت ہے کہ جن عناصر نے نفاذ شریعت کے نام پر وہ تحریک چلائی جو اب قتال کے مرحلے میں داخل ہو گئی ہے، ان سے بھی یہ بڑی کوتاہی تو ضرور ہوئی ہے کہ انہوں نے مسلمانان پاکستان کو اپنے موقف، اہداف اور لائحہ عمل سے آگاہ نہیں کیا۔ اس کے علاوہ جو غلطیاں سرزد ہوئی ہوں گی ان کا تجزیہ بے خبری یا نیم باخبری کے عالم میں کرنا اندھیرے میں تیر چلانے کے مترادف ہے۔ بایں ہمہ دستیاب براہ راست معلومات اور اخباری خبروں کی روشنی میں تین باتیں نسبتاً وثوق سے کہی جا سکتی ہیں۔ اولاً اس تحریک کی قیادت پہلے پہل دین سے خلوص و اخلاص کا تعلق رکھنے والی ان چند شخصیات کے ہاتھوں میں تھی جو متعدد مذہبی و دینی سیاسی جماعتوں کے ساتھ کام کر کے اس نتیجے پر پہنچے تھے کہ انتخابات اور مروجہ سیاسی شعبدہ بازی کے ذریعے اسلام کے نام پر حاصل ہونے والے اس ملک میں اور خواہ کچھ بھی ہو جائے، اسلام نہیں آئے گا۔ ثانیاً ان کی جدوجہد کا ہدف نفاذ شریعت تھا، اس فاسد اور باطل نظام کی طرف انہوں نے توجہ نہ فرمائی جس کی ہمہ گیر خباثت شریعت سے فرار کا اصل سبب ہے اور ثالثاً نفاذ شریعت کی اس مہم کو بھی مقامی رنگ دے دیا گیا۔ مطالبہ اپنے اپنے علاقوں میں نفاذ شریعت کا ہے، پورے ملک میں یہ تبدیلی لانے کا نہیں۔

ہم خود انتخابی سیاست کے راستے اسلام کے حق میں کسی بڑے خیر کی قوی امید نہیں رکھتے۔ پھر جوں جوں وقت گزر رہا ہے توں توں دین بیزار عناصر کی گرفت اس ملک خداداد پر مضبوط تر ہوتی جا رہی ہے جنہیں فرنگ اور اس کی اماں خوا صیہونیت کی آشیرواد بھی حاصل ہے اور موثر بین الاقوامی قوتوں کی عملی حمایت بھی۔ چنانچہ وہ اب کمزور سی امید بھی دم توڑتی محسوس ہوتی ہے اور یہی وجہ ہے کہ ہم نے انتخابی سیاست کے اکھاڑے میں اترنے کا کیا، کبھی کنارے پر بیٹھ کر کسی فریق کی بلا شیری تک کا بھی نہیں سوچا۔ ہم موجودہ نظام کو جڑ بنیاد سے اکھاڑ کر اسلامی نظام یعنی خلافت علیٰ منہاج النبوۃ کے قیام کے لئے کوشاں ہیں جس کے لئے اب مزاحمتی جدوجہد ہی واحد چارۂ کار نظر آتی ہے۔ اس نوع کے پروگرام کے لئے بھی دعوت، تنظیم اور تربیت کے مرحلوں سے گزار کر ایک ایسا گروہ تیار کرنا بدرجہ اولیٰ لازم ہے جس کے افراد نے خود اپنی زندگیوں پر دین کا نفاذ کر لیا ہو اور جو ایک حکم پر حرکت کرنے اور دوسرے پر ساکن ہو جانے کی مشق رکھتے ہوں۔ ہمیں خوب اندازہ ہے کہ ملک کے جن حصوں میں تاحال ہم اپنا کام کسی بھی حد تک پھیلانے میں کامیاب ہوئے ہیں، وہاں یہ کام کس قدر صبر طلب ہے جبکہ شمال کے ان علاقوں میں جہاں سے نفاذ شریعت کی تحریک اٹھی ہے یہی کام نسبتاً آسان ہے۔ وہاں قبائلی نظام کی ایک شکل اب بھی موجود ہے، بنیادی انسانی اوصاف اور اخلاقی قدروں پر بہت زوال طاری نہیں ہوا اور تحریر و تقریر، نقل و حرکت اور جماعت سازی کی آزادی وہاں بھی میسر ہے۔ گویا ان علاقوں میں اس پروگرام پر عمل درآمد آسان تھا اور احتجاجی سیاست کے ساتھ ساتھ مزاحمتی جدوجہد کا میدان بھی یہاں کے مقابلے میں بہت زیادہ کھلا تھا۔ ان مراحل سے گزرے بغیر ہتھیار اٹھا لینے کی حکمت ہماری سمجھ سے بالا ہے —— آزاد خیال نام کے مسلمانوں کی طرف سے یہ طعنہ سننے میں آ رہا ہے کہ "دینِ ملّانی سبیل اللہ فساد" اور ہمارے پاس فی الحال تو اس کا کوئی جواب نہیں۔

پھر محض شریعت کے نفاذ کا مطالبہ کرنا اور اس کے بعد بھی مخصوص حصوں پر ہی زور دینا اس ام الخبائث نظام کو بدلنے کے مطالبے کے بغیر کیا معنی رکھتا ہے جو سارے فساد کی جڑ ہے۔ دین اور اس کا نظام حیات اجتماعی و انفرادی ایک ناقابل تقسیم وحدت ہے اور اس کے حصے بخرے کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بڑی دردناک وعید سنائی گئی ہے۔ جبکہ حقیقت یہ بھی ہے کہ ملک کے موجودہ نظام میں بعض مذہبی شعائر اور شریعت کے چند قوانین کی پیوندکاری ممکن بھی نہیں اور موثر بھی ثابت نہ ہو گی۔ جنرل ضیاء الحق مرحوم کے تجربات اس سلسلے میں خاصے ہی سبق آموز ہیں۔ اور یہاں تو افواہیں یہ بھی ہیں کہ نفاذ شریعت کا مطالبہ کرنے والے یہ مخلص لیکن سادہ

(باقی صفحہ ۶ پر)

شَھِدَ شَاھِدٌ مِّنْ اَھْلِھَا

وہ صحافت جس کا سکہ رواں ہے

گھر کے ایک بھیدی کی گواہی

سید محمود آزاد

روزنامہ جنگ میں مجیب الرحمٰن شامی صاحب کا وزیر اعظم پاکستان محترمہ بے نظیر بھٹو صاحبہ کے ساتھ ملاقات والا کالم نظروں سے گزرا جس سے اندازہ ہوا کہ آج کل ان کے ایوانوں میں حکومت کی طرف سے جاری کردہ وہ فہرست زیر بحث ہے جس کے ذریعے کچھ پردہ نشینوں کے نقاب الٹے گئے ہیں اور ان سب کی کوشش یہ ہے کہ جب تک حکومت چند معزز ہستیوں کے نام فہرست سے نکال نہیں لیتی اس وقت تک حکومت کے ساتھ کسی قسم کا سمجھوتہ نہیں ہو سکتا۔ اس سلسلے میں شامی صاحب کی خدمت میں چند معروضات ہیں۔

حکومتی کارندوں نے آپ کے ساتھ چالاکی یہ کی ہے کہ ٹرسٹیوں اور اپنے کچھ خاص بندوں کو پردے میں رہنے دیا ہے حالانکہ یہ زیادتی ہے۔ فہرست سب کی شائع کی جانی چاہئے تھی اور مکمل سامنے آنی چاہئے تھی کیونکہ لیتے اور کھاتے سبھی ہیں۔ یہ صحافیوں کا طبقہ ہے اولیاء اللہ کا گروہ نہیں کہ کسی کونے کھدرے میں پڑے اللہ اللہ کرتے رہیں اور جب مر جائیں تو ان کے مزارات تعمیر ہوں' لوگ ان پر چڑھاوے چڑھائیں اور متولیوں کی چاندی ہو۔ اکثر اوقات تو صحافی اپنے قلم اور ضمیر کی قیمت اپنی زندگی میں ہی وصول کرتا ہے اور جو ایسا نہیں کرتا یا کر سکتا تو وہ صحافی نہیں گھسیارا ہے۔

شامی صاحب اس میں ناراض ہونے یا کھسیانی بلی کی طرح کھمبا نوچنے کی کوئی بات نہیں۔ اس برعظیم میں صحافت کی بنیاد ہی گالیوں' خوشامد اور بلیک میلنگ پر پڑی ہے۔ صحافت کی تاریخ آپ مجھ سے زیادہ جانتے ہیں۔ کیا اس برعظیم کا پہلا صحافی آگسٹس بلیک میلر نہیں تھا۔ ایسٹ انڈیا کمپنی کے افسر تو رہے ایک طرف وہ اس دور کے پادریوں پر بھی الزام تراشی کر کے ان سے رقمیں اینٹھ لیا کرتا تھا اور یہ رسم اس دور سے چلی آتی ہے جو ہم تک پہنچی ہے اور ہم اس پر کاربند ہیں۔

میں لمبی تفصیل میں نہیں جانا چاہتا آپ خود ہی اپنے ملک کی پون صدی کی صحافت پر نگاہ ڈال کر دیکھئے کہ اس میدان میں کون کیا تھا اور کون کیا ہے۔ سالک اور میر کے دور صحافت سے دیکھئے اور ایک ایک صحافی کی صحافتی سوانح عمری کے اوراق پلٹتے چلے جائیے آپ کو خود ہی اپنے ہم پیشہ حضرات کے نامہ ہائے اعمال سے آگہی ہوتی چلی جائے گی۔ پاکستان بننے سے پہلے بھی یہ لوگ کھاتے تھے اور ۱۹۴۷ء کے بعد بھی کھاتے ہی چلے آ رہے ہیں۔ صحافی اور وہ روپے پیسے کے معاملہ میں بچا رہے یہ ناممکن اور انہونی بات ہے۔

جب اشتراکی پروپیگنڈے کا دور دورہ تھا تو ان میں سے آدھے صحافی کوریا اور روس کی ایجنسیوں سے کھاتے تھے اور آدھے صحافی امریکن سفارت خانے سے یہ کہہ کر کھاتے تھے کہ ہم اپنے اپنے قلموں کے ذریعے اشتراکی سیلاب کے سامنے بند باندھ رہے ہیں۔ میں ذاتی طور پر ایسے کئی صحافیوں سے واقف ہوں جنہوں نے یہاں روسی یا امریکن روپے سے اخبارات جاری کئے اور ان ممالک سے سالہاسال تک روپے کھائے۔ اگر وطنی صحافت کے اس پہلو کو اجاگر کیا جائے تو ہزاروں صفحات سیاہ ہو سکتے ہیں۔ مجھے کراچی میں روزنامہ جنگ اور انجام کی صحافت بھی یاد ہے جب یہ دونوں اخبارات سنگل ورق ہوا کرتے تھے' میرے دیکھتے ہی دیکھتے روزنامہ جنگ اس رتبہ تک پہنچا ہے۔ مجھے روزنامہ نوائے وقت کی تاریخ بھی زبانی یاد ہے جب یہ ہفت روزہ ہوا کرتا تھا۔ ہفت روزہ سے روزنامہ بننے تک اس نے یہ سفر کیسے طے کیا اور پھر شاہ دین بلڈنگ سے نکل کر اپنی عمارات کیسے کھڑی کیں۔ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے میں ان دونوں اخبارات میں لکھتا رہا ہوں اور ان کی تاریخ بھی جانتا ہوں۔ مجھے وہ دن بھی یاد ہیں جب محترم الطاف حسن قریشی نے لاہور بیڈن روڈ سے ریڈرز ڈائجسٹ کی نقل کرتے ہوئے اس پیٹرن پر اردو ڈائجسٹ کا پہلا شمارہ شائع کیا تھا۔ وہ شمارہ آج بھی میرے ریکارڈ پر ہو گا۔ اس وقت قریشی صاحب کی سب سے بڑی خواہش یہ تھی کہ وہ کسی طرح رائٹرز گلڈ کے ممبر بن جائیں اور اس کے لئے وہ ایک ایک سرخے کی منتیں کرتے پھرتے تھے کیونکہ گلڈ پر سرخوں کا قبضہ تھا۔ پھر آج میں محترم قریشی صاحب کا یہ دور بھی دیکھ رہا ہوں کہ کئی گلڈ ان کی جیب میں ہیں۔

شہنشاہ ایران کے دور میں جب آپ ایران تشریف لے گئے تو یہ آریہ مہر اور اس کے وزیر اعظم امیر عباس ہویدا کے حق میں وہ عبارت آرائی کی کہ ابوالفضل اور فیضی ان کے سامنے بونے نظر آتے تھے۔

امیر عباس ہویدا کی تصویر اردو ڈائجسٹ کے ٹائٹل پر شائع کی' دوسری دفعہ آپ اس وقت ایران تشریف لے گئے جب وہاں امام خمینی انقلاب برپا کر چکے تھے اور آریہ مہر مع ملکہ عالیہ کے بھاگ گئے تھے۔ اس دفعہ امام خمینی کی تصویر کو ٹائٹل پر جگہ دی' شہنشاہ ایران کے مظالم کی وہ دردناک داستان لکھی کہ شاید ہی کسی اہل قلم نے درد و گداز میں ڈوب کر ایسی کہانی لکھی ہو۔ گویا پرانی ساری باتوں کو الٹا دیا تھا۔ اردو ڈائجسٹ کے یہ دونوں شمارے آج بھی میرے ریکارڈ میں موجود ہیں۔

اب بتائیے کہ اگر محترم قریشی صاحب اس طرح نہ کرتے تو اردو ڈائجسٹ اس مقام و مرتبے تک کیسے پہنچتا اور آپ کیسے متعارف ہوتے اور زندگی تک کیسے پہنچتے۔ کیا محترم قریشی صاحب نے ایران کے یہ دونوں سفر یونہی ایران کی محبت میں کر لئے تھے۔ شامی صاحب رہنے دیجئے صحافت کے کاروبار سے دوسرے لوگ واقف ہوں یا نہ ہوں لیکن صحافی تو واقف ہیں اور وہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ کس نے کس دور میں کس سے کیا کھایا اور کیسے کھایا۔ خود "زندگی" ہی کی مثال آپ کے سامنے ہے' اس میں کیا کچھ نہیں چھپتا رہا۔ آزاد کشمیر پونچھ کے بہادر اور جنگ جو قبیلہ سدھن کو بلاوجہ اس "زندگی" میں ہی گالیاں دی گئیں۔ انہیں یہودی کہا گیا اور زندگی کی سرورق کہانی کے طور اس مضمون کا نام رکھا گیا "آزاد کشمیر میں

اسرائیل آباد ہے"۔ اس وقت آپ زندگی میں نہیں تھے ظاہر ہے کہ زندگی نے سدھنوں کے خلاف کسی مخالف گروہ سے معقول معاضہ لے کر ہی ایسا کیا ہوگا۔ زندگی اور قریشی صاحب پر سالہا سال تک ہتک عزت کا مقدمہ چلتا رہا۔

میں اردو ڈائجسٹ زندگی اور محترم قریشی صاحب ہی کے بارے میں نہیں کہتا بلکہ یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ صحافت خواہ کسی طرز کی ہو اور کسی انداز کی یہ ایک کاروبار ہے اور جیسا کہ پہلے عرض کر چکا ہوں کہ اس کوچہ میں گالیاں بھی پیسے کے لئے دی جاتی ہیں اور خوشامد بھی پیسے کے لئے کی جاتی ہے۔ صحافی کے پیش نظر اصول' ضابطہ یا ضمیر وغیرہ نہیں ہوتے بلکہ اس کے پیش نظر اخبار کی سرکولیشن اور اشتہارات ہوتے ہیں' اشتہار کہاں سے اور کیسے ملیں گے' اخبار کی اشاعت کیسے بڑھے گی یہ ہوتا ہے صحافی کا اصل موضوع۔

اخبار کی اشاعت بڑھانے کے لئے صحافی نت نئے سکینڈل کی تلاش میں ہوتا ہے اور بعض دفعہ ایسے ایسے شرمناک سکینڈل گھڑ کر چھاپ دیتا ہے کہ انسانیت لرزہ براندام ہو جائے۔ ایسے انسانیت سوز اور شرمناک سکینڈلوں سے ہمارے صحافی بھائی اپنی اشاعت بڑھاتے رہتے ہیں۔ انہیں اس بات کا قطعاً احساس نہیں ہوتا کہ ان کی اس روش سے معاشرے پر کیا اثرات مرتب ہوں گے۔ ان کی مثال اس ہیروئن فروش کی سی ہے جس کے پیش نظر پیسہ ہوتا ہے اور اس کے دل سے یہ احساس مٹ جاتا ہے کہ اس زہر سے ہمارے ملک کے نوجوان تباہ ہوں گے اور یہ نوجوان نسل کے لئے زہر ہے۔

شامی صاحب یہ صحافی برادری پر کوئی الزام نہیں بلکہ یہ حقیقت ہے کہ جس کا مشاہدہ ہر روز آپ کرتے ہیں۔ آپکو یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ پاکستانی معاشرے کو ننگا کرنے اور اس ملک کی نوجوان نسل کو جرائم کی راہ پر گامزن کرنے میں ہمارے اخبارات نے سو فیصد کردار ادا کیا ہے اور یہ سب کچھ پیسے کے لالچ نے ان سے کرایا ہے۔ کیا اخبار جہاں' میگ اور فیملی میگزین خواتین کی نیم برہنہ تصاویر کے بغیر نہیں چھپ سکتے اور کیا اخبارات کے رنگین صفحات شرفاء کے گھر پڑھنے کے لائق ہیں۔

کسی زمانے میں ہم کہا کرتے تھے کہ مغرب نے نسوانی تقدس کو پامال کیا ہے اور خواتین کو اشتہارات کی زینت بنایا ہے۔ کیا آج ہم مغربیوں سے سینکڑوں میل آگے نہیں ہیں' کیا اس فحاشی' عریانی اور بے حیائی کو عام لوگوں نے فروغ دیا ہے یا صحافی برادری نے۔ ظاہر ہے کہ جب انسان خود برہنہ ہو جاتا ہے تو اس کی خواہش ہوتی ہے کہ اس کا سارا محلہ یا گاؤں برہنہ ہو جائے اور اس کام میں وہ رات دن ایک کر دیتا ہے۔ اگر اس پہلو سے دیکھا جائے تو پاکستانی معاشرے کو فحاشی اور عریانی کی طرف لے جانے والے صحافی ہیں جو رات دن اسی کام میں لگے ہوئے ہیں تاکہ رہی سہی کسر بھی نکل جائے۔

۱۹۴۷ء سے لے کر ۱۹۶۵ء' ۱۹۷۰ء تک کی پاکستانی صحافت پر نظر ڈالیں تو یہ بات تسلیم کرنی پڑے گی کہ مختلف حیلوں حربوں سے پیسے وہ ضرور کماتے تھے لیکن وہ لوگ اس قدر گرے ہوئے کردار کے نہ تھے کہ رات دن خوبصورت عورتوں کی تصاویر کی تلاش میں رہیں اور تصاویر فروشی کے ذریعہ بنگلے بنوائیں اور کاروں میں پھریں۔

آج کا صحافی دولت کے لئے اس قدر دیوانہ ہو چکا ہے کہ اس کے سامنے اخلاقی اقدار بھی کوئی چیز نہیں اور یہی وجہ ہے کہ اخبارات میں عورتوں کے ایسے ایسے پوز چھپتے ہیں جنہیں دیکھ کر ہر شریف انسان شرما جاتا ہے۔ بعض دفعہ تو کسی تصویر کا کوئی جواز ہی نہیں ہوتا' صرف حسین چہرہ کے طور پر اسے چھاپ دیا جاتا ہے۔

۱۹۷۰ء سے پہلے کسی قسم کی فلمی خبر یا اشتہار قومی اخبارات میں نہیں چھپ سکتا تھا کیونکہ اس سے قومی اخبارات کا تقدس پامال ہوتا تھا اور مقام و مرتبہ کم ہوتا تھا' فلم بینوں کے لئے الگ فلمی رسائل و جرائد شائع ہوتے تھے جنہیں عام طور پر فلم بین لوگ ہی خریدا کرتے تھے۔ عام شرفاء انہیں ہاتھ بھی نہ لگاتے تھے۔ جب سے کلر ٹرانسپرنسی کا رواج ہوا' قومی اخبارات نے دولت کے لالچ میں فلمی صحافت پر بھی چھاپہ مارا اور اب ہر روز فلمی سپلیمنٹ قومی اخبارات کی زینت ہوتے ہیں۔ اگر غور کیا جائے تو یہ بات تسلیم کرنی پڑے گی کہ صحافی حضرات نے اپنی اس افسوسناک روش سے پورے معاشرے کو عریانی اور فحاشی کی دلدل پر لا کھڑا کیا ہے کیونکہ شرفاء کے گھریلو ماحول کو فیشن کی لعنت میں اس روش نے گرفتار کیا اور حالت یہ ہو گئی کہ گھر گھر ایکٹریسوں کے لباس و انداز کی نقالی ہونے لگی' کیا قومی اخبارات کا یہی فرض ہوتا ہے کہ معاشرے کو گندگی کے دلدل کی طرف دھکیلیں اور اسے برہنہ کر دیں۔

قومی صحافت کا فرض یہ ہوتا ہے کہ معاشرے میں پھیلنے والے فحاشی کے رجحانات کو روکیں اور لوگوں کی اصلاح کے لئے مثبت روش اختیار کریں تاکہ قوم اپنے تشخص کو برقرار رکھ سکے۔ یہ صحافیوں کی مہربانی ہے کہ دن بہ دن ہمارا قومی تشخص ختم ہوتا جا رہا ہے۔

پہلے جاسوسی کہانیوں کا سلسلہ الگ تھا لیکن اب قومی اخبارات بھاری معاوضہ دے کر اپنے ہفتہ وار ایڈیشنوں کے لئے حیران کن جاسوسی اور مار دھاڑ پر مبنی کہانیاں لکھواتے ہیں اور ایک ایک ایڈیشن میں اکٹھی کئی کئی قسطیں چھاپ رہے ہیں جن سے ملک کے نوجوان طبقہ میں مجرمانہ ذہنیت کا ارتقاء ہو رہا ہے۔ شامی صاحب صحافی حضرات تو اپنی اشاعت بڑھانے کے لئے اس قسم کے حربے اختیار کر رہے ہیں لیکن کیا انہوں نے چند لمحوں کے لئے بھی سوچا ہے کہ اس خرافات سے ہماری نوجوان نسل کے ذہنوں پر کیا اثرات مرتب ہو رہے ہیں اور وہ کیسے ہیجان کا شکار ہیں۔

ہمارے ملک کا تعلیمی معیار گرانے اور نوجوان نسل کو کلاشنکوف کلچر کی طرف لے جانے والے صحافی حضرات ہیں' دوسرا کوئی مجرم نہیں ہے کیونکہ جب سے قومی اخبارات نے اس قسم کا گندا مواد چھاپنا شروع کیا ہے۔ طالب علموں نے علمی دلچسپی ترک کر دی ہے اور وہ رات دن جاسوسی کہانیوں اور مار دھاڑ کے قصوں میں الجھے رہتے ہیں' ہماری قومی صحافت نے اس خرافات کو اچھالا ہے جس کا نشہ ہیروئن سے کم نہیں لیکن اس پر بھی قومی اخبارات کہلانے کا دعویٰ ہے۔ کیا قومی اخبارات اسی طرح معاشرے کے تار و پود بکھیرتے اور نوجوان نسل کو تباہی و بربادی کی طرف لے جاتے ہیں اور اسی طرح عریاں فلمی اور کھیلوں کے صفحات شائع کرتے ہیں جن میں تصویری نمائش ہو۔

قومی اخبارات اپنے مفاد کے ساتھ ساتھ قومی اخلاق و کردار کا بھی خیال رکھتے ہیں لیکن ہمارے صحافی بھائیوں نے قومی ذمہ داریوں کو بالائے طاق رکھ دیا ہے اگر ایک اخبار کسی خاتون کی نیم عریاں تصویر چھاپے تو دوسرے کی خواہش ہوتی ہے کہ وہ مکمل عریاں چھاپے اور وہ فی الواقع چھاپ دیتا ہے اور اس قسم کے مناظر ہم روزانہ اپنے اخبارات میں دیکھتے ہیں جو قومی اخبارات کہلاتے ہیں اور جن کا کوئی ضابطہ اخلاق نہیں ہے۔

محترم شامی صاحب حقیقت یہ ہے کہ پاکستان کی

صحافت بھی بے لگام ہے اور سیاست بھی بے لگام' بلکہ کہنا چاہئے کہ اس بے لگام صحافت نے سیاست کو بھی بے لگام کر دیا کیونکہ ملکی سیاست کو صحافت ہی کے ذریعہ اعتدال پر رکھا جا سکتا تھا اور صحافی ہی مل کر ملک کے لئے ایک قومی پالیسی بنا سکتے تھے لیکن صحافیوں نے بجائے سیاست کی راہیں متعین کرنے اور سیاست دانوں کو اس پر چلانے کے' الٹا ان کے ہاتھ قلم فروخت کر دیئے اور بعض کو بندروں کی طرح نچوانا شروع کر دیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ صحافت اور سیاست دونوں آلودہ ہو گئیں اور اس طرح آوے کا آوہ ہی بگڑا جس کا اب شاید کوئی علاج نہیں۔

یہ ساری باتیں جملہ معترضہ کے طور پر آ گئی ہیں۔ ہمارا اصل موضوع تھا کہ حکومتی کارندوں نے شرارت کر کے ان حضرات کی فہرست شائع کر دی جو نواز شریف حکومت سے پیسے کھاتے رہے اور اب آپ کا موقف یہ ہے کہ فلاں فلاں نے نہیں کھائے اس لئے ان کے نام فہرست سے خارج کئے جائیں اور حکومتی سطح پر ان کے بری الذمہ ہونے اعلان کر دیا جائے۔ خدا کرے آپ اپنی کوشش میں کامیاب ہوں لیکن کوئی ایک حکومت ہمیشہ نہیں رہتی اس کی جگہ جب دوسری آئی تو یہ وائٹ پیپر وہ شائع کر دے گی اور اس طرح اس سے اپنے پسندیدہ شخصیات کے نام نکلوانے کے لئے آپ کو پھر زحمت کرنی پڑے گی۔ آخر یہ مصیبت آپ کب تک اٹھاتے رہیں گے۔ کیوں نہ ایسا ہو کہ سب کے نام منظر عام پر آ جائیں تاکہ دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی الگ ہو جائے اور سب مل کر یہ تسلیم کر لیں کہ وہ کھاتے ہیں' کھاتے رہے ہیں اور کھاتے رہیں گے کیونکہ میری رائے میں صحافت کی بنیاد اسی کھانے پینے پر ہے۔○○

(بشکریہ روزنامہ "خبریں" ۱۰ اکتوبر ۹۴ء)

بقیہ : اداریہ

لوح لوگ دراصل اپنے علاقوں کے ان بدنام زمانہ عناصر کے ہتھے چڑھ گئے ہیں جو موجہ ملکی قانون کو اپنے کالے دھندوں کے راستے کا روڑا سمجھتے اور ان سے جان چھڑانے کے بعد شریعت کے قوانین کو موم کی ناک بنا سکنے کی امید رکھتے ہیں۔

اہم ترین پہلو اس معاملے کا یہ ہے کہ شریعت تو فی الاصل اسلامی نظام کو عملی شکل دینے کی غرض سے بنائے گئے احکام اور پابندیوں کے مجموعے کا نام ہے۔ نظام کو بدلے بغیر احکام و قوانین میں بنیادی تبدیلیاں لانا کچھ سطحی سی خوبیاں تو پیدا کر سکتا ہے' اسلام کی اصل اور باعث رحمت برکات کا باعث ہرگز نہیں بنے گا اور موجودہ نظام کے ڈھانچے سے متصادم بعض قوانین کا کسی محدود علاقے میں نفاذ تو بالکل ہی غیر منطقی اور ایک لاحاصل مشق ہے۔

یہ سب باتیں اپنی جگہ تاہم ہماری صوبائی اور مرکزی حکومتوں نے اس مسئلہ سے نمٹنے کے لئے جو طریقہ کار اختیار کیا وہ حد درجہ قابل مذمت ہے۔ قبل ازیں آئی جے آئی کی حکومت نے جو اسلام کے منشور کے بل پر برسراقتدار آئی اور پارلیمنٹ میں اتنی عددی اکثریت بھی رکھتی تھی کہ اپنے وعدوں کی لاج رکھ سکے' نفاذ شریعت بل کے ساتھ جو مذاق کیا' اسی کا زخم تازہ تھا کہ اب ہمارا واسطہ اس حکومت سے ہے جو زبانی کلامی بھی "شریعت" کا دم نہیں بھرتی اور نام لیتی بھی ہے تو "ترقی پسند اور زمانے کا ساتھ دینے والے" اسلام کا جو اسلامی شریعت کا پابند ہرگز نہ ہو گا۔ اس سے نفاذ شریعت کی توقع ہی عبث ہے لیکن تحریک نفاذ شریعت کے ساتھ دھوکے اور فریب کی جو وارداتیں کی گئی ہیں ان پر کسی بھی مہذب حکومت کو شرم آنی چاہئے۔ جھوٹے وعدے کیے گئے' پھر انہیں حیلے بہانوں سے ٹالا گیا اور اب پھر لاوا پھٹنے کے آثار دیکھے تو صوبائی وزیر اعلیٰ وعدوں کی ایک نئی کھیپ کے ساتھ نمودار ہونے والے تھے جن کا اصل منشاء ضمنی انتخاب میں کامیابی کا حصول تھا۔ کیا بے نظیر حکومت میں کوئی بھی "رجل رشید" موجود نہیں جو صورت حال کی نزاکت کو بروقت بھانپ کر اسے ٹالنے کی مستقل نہیں تو کوئی ایسی عارضی تدبیر ہی نکال سکے جو کچھ تو دیرپا ثابت ہو۔ تحریک نفاذ شریعت کی مخلص لیکن سادہ لوح قیادت کو بھی اگرچہ بڑے پیمانے پر ہونے والے اس مالی و جانی زیاں کا ذمہ دار قرار دیا جا سکتا ہے لیکن اس کے مقابلے میں حکومت کی ذمہ داری کا وزن کئی گنا زیادہ ہے۔○○

کشتی نوحؑ جسے اللہ نے عبرت کے نشان کے طور پر چھوڑا

سائنس دانوں کی ایک ٹیم گذشتہ چھ سال سے ترکی اور ایران کی سرحد پر واقع کوہ ارارات سے ۳۲ کلومیٹر کے فاصلہ پر اس جگہ پر تجربات کرنے میں مصروف تھی جہاں اب اس ٹیم کے انچارج کے مطابق کشتی نوحؑ کا سراغ ملا ہے۔ ترکی کی حکومت سالہا سال کی لاتعلقی کے بعد ٹیم کی فراہم کردہ معلومات سے اس قدر متاثر ہوئی ہے کہ اس نے اس جگہ کو آثار قدیمہ کا خصوصی مقام قرار دے کر آئندہ موسم گرما میں مزید کھدائی کے لئے آمادگی ظاہر کی ہے۔

اس دور افتادہ مقام پر ۲۳۰۰ کلومیٹر کی بلندی پر بحری جہاز سے مشابہ جو ڈھانچہ زمین کے اندر دھنسا ہوا ملا ہے وہ ۱۷۰ میٹر (۵۴۵ فٹ) لمبا اور ۴۵ میٹر (۱۴۴ فٹ) چوڑا ہے۔ یہ تقریباً بالکل وہی ۳۰۰ × ۵۰ "ہاتھ" بنتے ہیں جو بائبل کی تخلیق سے متعلق کتاب کے چھٹے باب میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے نوحؑ کو اس کشتی کی تیاری کے سلسلے میں دیئے گئے احکامات میں مذکور ہیں۔

امریکہ اور مشرق وسطیٰ سے تعلق رکھنے والے سائنس دانوں کی اس ٹیم کو آس پاس کے علاقے میں ایسے بھاری بھرکم پتھر بھی ملے ہیں جن کے ایک سرے پر کھود کر سوراخ کیا گیا ہے۔ قدیم زمانے میں جہازوں کا توازن قائم رکھنے کے لئے اس طرح کے پتھر جہازوں کے ساتھ باندھے جاتے تھے۔ ترکی کی اتاترک یونیورسٹی میں جیالوجی کے سربراہ صالح بیرکتوتان کا کہنا ہے کہ یہ سمندری جہاز ایک لاکھ سال کے لگ بھگ پرانا ہے اور انسان کا تیار کردہ ہے۔ بلاشبہ یہی کشتی نوحؑ ہے۔

جس جگہ یہ کشتی موجود ہے وہ کوہ "جودی" کے بالکل دامن میں واقع ہے۔ یہی وہ جگہ ہے جسے قرآن میں کشتی کے رکنے کی جگہ قرار دیا گیا ہے۔ تباہ شدہ جہازوں کے ایک امریکی ماہر' ڈیوڈ فسولڈ (Davld Fasold) جن کا مذہب سے کوئی ناطہ نہیں' اس تحقیقاتی ٹیم کے سربراہ ہیں۔ وہ بتا رہے تھے کہ راڈار سے لی گئی اس جگہ کی تصاویر اتنی صاف اور واضح ہیں کہ جہاز کی دم سے ۲۵ میٹر نیچے فرش میں لگے تختے تک گنے جا سکتے ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ ٹیم کو اوپر کے عرشہ کے صرف آثار ملے ہیں جبکہ اصل ڈھانچہ معدوم ہو چکا ہے۔

لیکن ان معلومات نے کشتی نوحؑ کی تلاش میں سرگرداں ان درجنوں عیسائیوں کو طیش دلا دیا ہے جو اس خیال سے ترکی آئے ہیں کہ کشتی نوحؑ اصل کوہ ارارات پر ہی ملنی چاہئے۔ مسٹر فسولڈ جو اپنے آپ کو کشتیوں کا ماہر سمجھتے ہیں' یہ کہہ کر حقیقی مسلمانوں کو بھی ناراض کر دیتے ہیں کہ یہ کشتی کسی بڑے سیلاب کے نتیجے میں پہاڑ پر نہیں آ گئی تھی بلکہ ستاروں کے زیر اثر ارضی تبدیلیوں نے اسے پہاڑوں میں لا پھینکا۔ تاہم ٹیم کے بعض ارضی ماہرین کھدائی ہونے تک اپنی آخری رائے ظاہر نہیں کرنا چاہ رہے۔○○

("آبزرور" لندن میں مارٹن روکی رپورٹ کا ترجمہ)

تنظیمِ اسلامی کے سالانہ اجتماع کی رپورٹ

راہِ وفا کا ۱۹ واں سنگ میل

نثار احمد ملک

اپنی بھیڑیں کون چرواہایوں دوسروں کے حوالے کرتا ہے

ایک عوامی جلسہ اور دو خاص نشستیں اس دفعہ کی خصوصیات تھیں

تنظیمِ اسلامی کے ۱۹ ویں سالانہ اجتماع کا یہ رپورتاژ جتنا مکمل اور شاندار ہے' اجتماع کے پروگرام اور اس کے انتظامات اس سے کہیں زیادہ مفید تر' منظم تر اور متاثر کن تھے لیکن ایک شعبہ بہت بری طرح نظرانداز ہوا اور وہ تھا فوٹوگرافی۔ الحمدللہ کہ ہمارے کارکنوں پر کام کی دھن اتنی زیادہ سوار رہی کہ تشہیر کی خواہش کو سر اٹھانے کا موقع ہی نہ ملا۔ ایک اور پیچیدگی یہ ہے کہ "تصویر" اور فوٹوگرافی کے بارے میں ساتھیوں کے ذہن تاحال پوری طرح صاف نہیں ہوئے چنانچہ ہمارے جن رفقاء نے بھی اس موقع پر اپنے کیمرے استعمال کئے' بے دلی سے کئے اور اس کام میں پیشہ ورانہ مہارت تو کسی کو بھی حاصل نہ تھی۔ نتیجہ یہ ہے کہ ہماری فوٹوگرافی پر یہ پھبتی کسی جائے تو بے محل نہ ہوگی کہ "نائی نے خصم کیا' برا کیا اور کر کے چھوڑ دیا تو اور بھی برا کیا"۔ کیمرے سے کھینچی گئی جو تصاویر ہمیں اپنے مختلف رفقاء سے حاصل ہوئی ہیں ان میں سے اکثر فنی اعتبار سے ناقص اور ناقابل اشاعت ہیں۔ بعض اہم تقاریب' مثلاً باغ بیرون موچی دروازے کا جلسہ خلافت جو اس سالانہ اجتماع کا اہم ترین عوامی حصہ تھا اور دوسری انقلابی جماعتوں کے زعماء کے خیالات سننے کے لئے جن دو نشستوں میں قرآن آڈیٹوریم حاضرین و سامعین سے اس طرح بھرا کہ واقعتاً دھرنے کی جگہ نہ رہی' یا تو سرے سے cover ہی نہ ہوئیں اور ہوئیں تو مایوس کن حد تک نامکمل۔ حاضرین کی جھلک اور "حزب التحریر" کے متوقر رہنماؤں سمیت بعض اہم ترین مقررین کی تصویریں ہم تک نہ پہنچ سکیں۔ ہمارے ان نوجوان مقررین کا جنہوں نے بھری بزم میں اپنی صلاحیتوں کا انکشاف کر کے ساتھیوں کو انگشت بدنداں اور سربہ گریباں کر دیا' ذکر تو ملے گا لیکن اکثر کی تصویریں غائب ہیں۔ اجتماع گاہ کے مختلف حصوں کا نقشہ بھی کیمرے کی آنکھ میں محفوظ کیا جا سکتا تھا جو نہ کیا گیا' وغیرہ۔

غرض ان معروضات سے ہماری یہ ہے کہ جیسے شعروں کا انتخاب کسی کو رسوا کیا کرتا ہے' ویسے ہی تصویروں کا انتخاب ہمارے سر جانبداری یا "اقرباپروری" کا الزام مڑھ سکتا ہے لیکن اللہ جانتا ہے کہ ایسی کوئی بات نہیں۔ بعض مناظر اور کتنے ہی چہرے ہمارے آنکھوں میں پھرتے ہیں اور جی چاہتا ہے کہ اپنے قارئین کو بھی دکھا سکتے لیکن ٹیکنالوجی نے ابھی اتنی ترقی نہیں کی کہ انہیں کاغذ پر منتقل کیا جا سکے چنانچہ معذرت کے سوا کوئی چارۂ کار نہیں۔ جو تصویریں ہم شائع کرنا چاہتے تھے اور نہ کر سکے' یقین سے کہہ سکتے ہیں کہ وہ شرکائے اجتماع کے دلوں کی گیلریوں میں تو پہلے ہی سجی ہوئی ہیں البتہ غیر حاضر قارئین کرام محروم رہ گئے جس کا افسوس ہے۔ اور وہ ساتھی جن کا حق تھا کہ نمایاں کئے جاتے' اللہ کا شکر ادا کریں کہ شہرت و ناموری کے فتنے میں مبتلا ہونے سے محفوظ رہے۔ ہماری کوتاہیوں کے شر میں سے ان کے لئے یہ خیر تو برآمد ہو ہی گیا ہے نا!

تنظیمِ اسلامی پاکستان اپنی عمر کے بیسویں سال میں داخل ہو گئی ہے جس کی علامت کے طور پر اکیس اکتوبر سے ۲۴ اکتوبر تک لاہور میں اس کا انیسواں سالانہ اجتماع منعقد ہوا۔ جماعتوں اور تحریکوں کی زندگی میں سالانہ اجتماعات کی اہمیت محتاج بیان نہیں انہی اجتماعات میں اپنی کارکردگی کا جائزہ لیا جاتا ہے اور اپنی عددی قوت کا کسی درجے میں ناپ تول بھی ہو جاتا ہے نیز مستقبل کے پروگرام طے کئے جاتے ہیں۔ اس کے علاوہ تحریک سے وابستہ افراد کو فکری غذا فراہم کی جاتی ہے۔ آخری منزل کا شعور بھی اور اس تک جانے والے راستے کی مشکلات کا ادراک بھی کرایا جاتا ہے کہ کوئی چاہے تو اپنے فیصلے پر نظرثانی کر لے اور خود تحریک بھی جائزہ لے سکے کہ کس موڑ سے آگے منزل ہے۔ تنظیمِ اسلامی پاکستان کا یہ انیسواں سالانہ اجتماع ان تمام مقاصد کے حصول میں بلاشبہ کامیاب رہا ہے۔

سالانہ اجتماع کا باقاعدہ آغاز ۲۱ اکتوبر کو امیر محترم ڈاکٹر اسرار احمد کے جامع القرآن' قرآن اکیڈمی میں خطبۂ جمعہ سے ہوا۔ جمعرات بیس اکتوبر سے ہی رفقاء کی کثیر تعداد پہنچنا شروع ہو گئی تھی۔ امیر محترم نے اپنے خطبۂ جمعہ میں "تنظیمِ اسلامی کیا اور کیوں" کو موضوع گفتگو بنایا۔ یہ بات امیر محترم نے اپنے خطاب کے شروع میں ہی کہہ دی کہ بعض اوقات کسی بات کے زیادہ عام ہو جانے کی وجہ سے اس کی اہمیت کچھ کم یا نظروں سے اوجھل سی ہو جاتی ہے۔ تنظیم اسلامی کیا ہے اور یہ کیوں معرض وجود میں لائی گئی' اس حقیقت سے رفقاء تنظیم واقف ہیں لیکن "کلا انّھا تذکرۃ" کے مصداق ان کے لئے یہ اپنے بنیادی سبق کی یاد دہانی ہے جبکہ دوسرے احباب کے لئے جو تنظیمِ اسلامی کی بنیادی فکر سے واقف نہیں ہیں' غور و فکر کا موقع ہے۔

"تنظیمِ اسلامی کیا ہے اور کیا نہیں ہے" کو بیان کرنے کے لئے انہوں نے نفی و اثبات کا اسلوب اختیار کیا۔ انہوں نے تنظیمِ اسلامی کی مطبوعات کی پشت پر رقم عبارت "تنظیمِ اسلامی نہ کوئی مذہبی فرقہ ہے نہ معروف معنی میں کوئی سیاسی جماعت بلکہ ایک اسلامی انقلابی جماعت ہے۔" ہی کی وضاحت کی اور تقریباً سوا گھنٹے کی تقریر اس ایک جملہ کی وضاحت پر مشتمل تھی۔ آپ نے واضح کیا کہ فرقہ واریت کا اصل حل یہ ہے کہ امت مسلمہ کے سامنے کوئی بلند ترین نصب العین ہو جس کے سامنے چھوٹے چھوٹے اختلافات دب کر رہ جائیں۔ اس حوالے سے انہوں نے ہندوستان میں مسلمانوں کے عائلی قوانین کے خلاف ایک عدالت کے فیصلہ پر ہندوستان کے

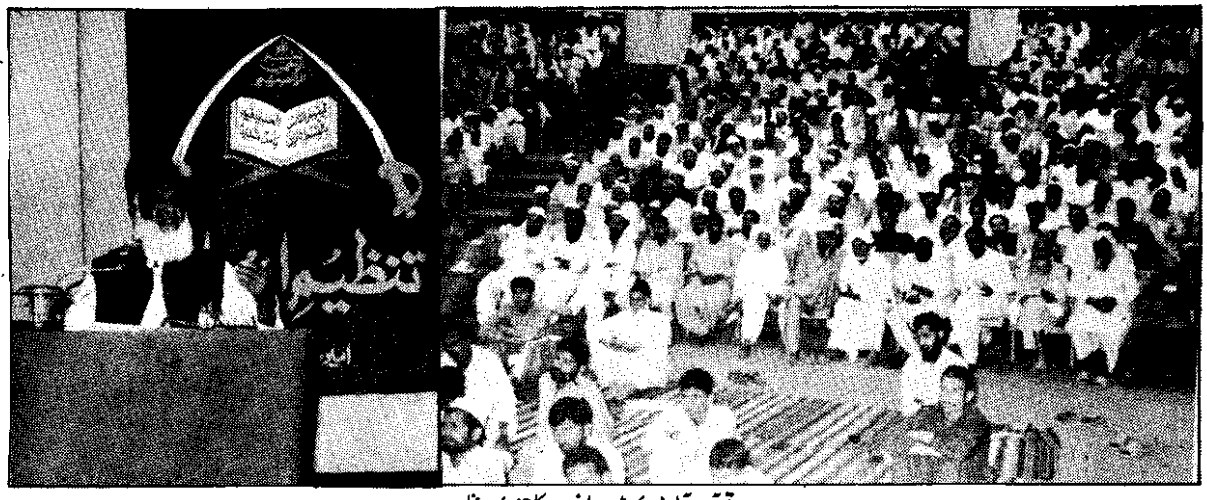

قرآن آڈیٹوریم میں حاضرین کا جزوی منظر

مسلمانوں کے اتحاد کی مثال دی جبکہ وہاں لکھنؤ جیسے شہر میں کوئی سال نہیں گزرتا کہ محرم میں فساد نہ ہوتے ہوں۔ تنظیم اسلامی کے پیش نظر ایک اعلیٰ نصب العین یعنی اسلام کے عادلانہ نظام کو قائم اور غالب کرنا ہے لہٰذا اس کے فرقہ واریت میں ملوث ہونے یا خود ایک فرقہ بن جانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ آپ نے اپنے خطاب میں انتخابی اور انقلابی سیاست کے فرق کو بھی اچھی طرح واضح کیا۔

امیر محترم نے "تنظیم اسلامی کیوں" کا بھی مفصل جواب دیا اور اپنی پوزیشن واضح کرتے ہوئے فرمایا کہ میں اس تحریک کا داعی ہوں لیکن نہ دینی سرگرمی میرا پیشہ ہے اور نہ ہی سیاست ہی میرا مشغلہ رہی ہے۔ اپنے بارے میں ان دو باتوں کی نفی کے بعد آپ نے سوال کیا کہ پھر جماعت بنانے کی ضرورت کیوں پیش آئی۔ اس "کیوں" کا جواب انہوں نے یہ دیا کہ میں نے اس وادیٔ پرخار میں قدم محض اپنے "احساس فرض" کے تحت رکھا ہے۔ بقول فیض ؎

جز دار اگر کوئی مفر ہو تو بتاؤ
ناچار گنہگار سوئے دار چلے ہیں

امیر محترم کے اس خطاب کے حوالے سے یہ بھی کہنا پڑتا ہے کہ کم ہی ایسا ہوتا ہے جو ڈاکٹر صاحب اتنے مختصر وقت میں اس قدر جامع گفتگو مکمل کر لیں۔ انہیں سننے والے جانتے ہیں کہ آپ کو اکثر وقت کی کمی کا شکوہ رہتا ہے لیکن ۲۱ اکتوبر کا خطاب جمعہ واقعتاً بہت ہی جامع و مانع تھا۔ اگر میں یہ کہوں کہ تنظیم اسلامی کی مکمل دعوت اس ایک خطاب میں پوری جامعیت کے ساتھ سمو دی گئی تھی تو غلط نہ ہوگا۔

تنظیم اسلامی کے سالانہ اجتماع کی مناسبت سے ۲۱ اکتوبر کو شب آٹھ بجے موچی دروازہ میں ایک "جلسۂ خلافت" کا بھی اہتمام کیا گیا تھا۔ اس جلسہ سے پہلے جامع القرآن قرآن اکیڈمی سے ایک ریلی کا اہتمام "کاروانِ خلافت" کے نام سے کیا گیا۔ "کاروانِ خلافت" نماز عصر کے بعد قرآن اکیڈمی سے روانہ ہوا۔ اس "کاروانِ خلافت" میں بہت سی بسیں' کاریں' موٹر سائیکلیں اور دوسری سواریاں شامل تھیں۔ ہر سواری پر "تحریکِ خلافت پاکستان" کا پرچم لہرا رہا تھا۔ سب سے آگے ایک ٹرک پر تحریک خلافت و تنظیم اسلامی پاکستان کے مرکزی قائدین سوار تھے۔ اس کے بعد موٹر سائیکل' اس کے پیچھے کاریں اور بسیں وغیرہ تھیں۔ اس کاروان کی قیادت تحریکِ خلافت پاکستان کے ناظم اعلیٰ جناب جنرل ریٹائرڈ محمد حسین انصاری صاحب نے کی۔ ان کے علاوہ دوسرے قائدین میں جناب عبد الرزاق صاحب سیکرٹری جنرل تحریک خلافت پاکستان' جناب ڈاکٹر عبد الخالق صاحب ناظم اعلیٰ تنظیم اسلامی پاکستان اور جناب چودھری رحمت اللہ بٹر صاحب بھی شامل تھے۔ امیر محترم نے خود باہر آکر اس منظم کارواں کو اذن روانگی دیا اور میں نے دیکھا کہ ان کی آنکھوں میں آنسوؤں کے ستارے جھلملانے لگے۔ تشکر و امتنان کے آنسو چشم فلک نے تو

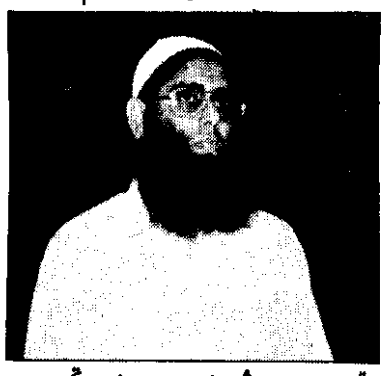

ناظم اجتماع عمران چشتی جنہیں ڈھیروں خراج تحسین ملا

بوڑھے سپہ سالاروں کو اپنی فوجوں کے کوچ کا منظر نگاہوں کی گود میں لیتے نجانے کتنی بار دیکھا ہو گا' میرے میر کارواں کے لئے یہ پہلا موقع تھا۔ اللہ انہیں میری بھی زندگی لگا دے... "اور آئیں گے عشاق کے قافلے"... امیر محترم یہ منظر ان شاء اللہ بار بار دیکھیں گے۔

"کاروانِ خلافت" کا روٹ قرآن اکیڈمی سے شروع ہو کر وحدت روڈ' وہاں سے فیروز پور روڈ' مزنگ سے ہوتا ہوا لوئر مال' وہاں سے بھاٹی گیٹ اور بھاٹی گیٹ سے موچی دروازہ تک تھا۔ یہ تقریباً ۱۴ کلومیٹر سے زائد فاصلہ تھا جو طے کیا گیا اور یہ تنظیم اسلامی کی قوت کا اظہار ہرگز نہ تھا بلکہ ہماری دعوت ہی کا ایک انداز تھا۔ اس "کاروانِ خلافت" سے کوئی فوری ہنگامہ بھی مطلوب نہ تھا' ہمارے پیش نظر صرف مسلمانانِ پاکستان کی توجہ "تحریک خلافت پاکستان" اور نظامِ خلافت کی طرف مبذول کرانا تھی۔ الحمد للہ کہ ہماری یہ ریلی اس اعتبار سے نہایت کامیاب رہی۔ اگرچہ ابھی ہمیں اس طرح کی ریلیوں کے انعقاد کا ذرا بھی تجربہ نہیں لیکن اس ناتجربہ کاری کے باوجود انتہائی نظم و ضبط اور بغیر کسی شور و شغب کے یہ متحرک ریلی نمازِ مغرب کے ساتھ موچی دروازہ میں پہنچ گئی۔

مغرب اور عشا کی نمازوں کے درمیان موچی دروازہ میں بڑی سکرین پر داعئ تحریک خلافت جناب ڈاکٹر اسرار احمد کا ویڈیو کیسٹ دکھایا گیا۔ یہ ویڈیو ۷ اگست کو حزب التحریر کے زیر اہتمام منعقدہ ہونے والی عالمی خلافت کانفرنس لندن میں داعئ تحریک کی تقریر پر مبنی تھا۔ اگرچہ یہ تقریر بزبان انگریزی تھی لیکن اس کے باوجود شرکاء جلسہ کی ایک بڑی تعداد نے پورے انہماک کے ساتھ اسے سنا۔ اس ویڈیو کیسٹ سے یقیناً

انہیں اندازہ ہوا ہوگا کہ پیغامِ خلافت اب کہاں کہاں پہنچ چکا ہے۔ بقول اقبال۔

محفلِ کون و مکاں میں سحر و شام پھرے
مئے توحید کو لے کر صفتِ جام پھرے
کوہ میں، دشت میں لے کر تیرا پیغام پھرے
اور معلوم ہے تجھ کو کبھی ناکام پھرے
دشت تو دشت ہیں، دریا بھی نہ چھوڑے ہم نے
بحر ظلمات میں دوڑا دیئے گھوڑے ہم نے

اس وقت واقعتاً صورت حال یہ ہے کہ داعیٔ تحریک نے "اذانِ خلافت" نہ صرف لندن میں دی بلکہ امریکہ میں بھی بیس گھنٹے کا انگریزی پروگرام ریکارڈ کرا کے "نظامِ خلافت کیا، کیوں اور کیسے" کے عنوانات کے تحت پورے شرح و بسط کے ساتھ بیان کر دیا ہے۔

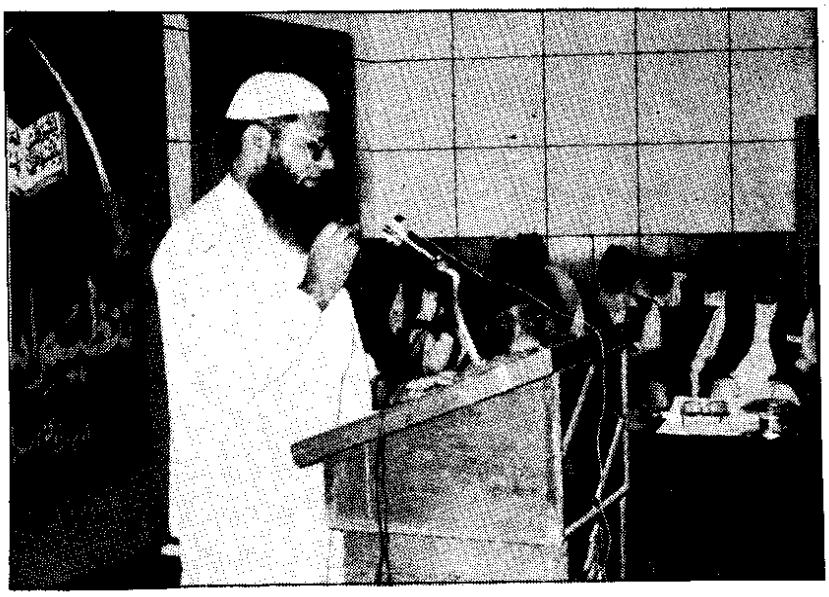

ناظمِ اعلیٰ ڈاکٹر عبد الخالق نے سالانہ رپورٹ پیش کی

جلسۂ خلافت کی باقاعدہ کارروائی آٹھ بجے شب شروع ہوئی۔ تنظیم اسلامی ایک منظم انقلابی جماعت ہے لہٰذا جہاں بہت سے دوسرے پہلوؤں سے یہ دوسری جماعتوں سے ممتاز ہے وہاں یہ روایت بھی تنظیم اسلامی ہی کے ہاں ملتی ہے کہ تمام پروگرام طے شدہ وقت کے ساتھ حاضری کی پروا کئے بغیر شروع کر دیئے جاتے ہیں۔ چنانچہ جلسۂ خلافت کا آغاز بھی طے شدہ وقت کے مطابق شروع ہو گیا بلکہ لطیفہ یہ ہوا کہ امیرِ محترم سمیت قائدین کے سٹیج پر پہنچ جانے اور سٹیج سیکرٹری (فیاض حکیم صاحب) کی طرف سے دعوت موصول ہونے کے بعد ان کے کرسی صدارت پر رونق افروز ہو جانے پر فیاض حکیم صاحب نے اپنی کلائی کی گھڑی جو دیکھی تو آٹھ بجنے میں پانچ منٹ باقی تھے اور واقعی باقی تھے تو اعلان ہوا۔ "حضرات! ابھی آٹھ بجنے میں پانچ منٹ باقی ہیں، جلسے کی کارروائی کا آغاز ٹھیک پانچ منٹ بعد ہو گا"۔ وقت کی پابندی کا اہتمام تنظیم اسلامی میں شروع ہی سے کیا جاتا ہے لیکن جب سے محترم جنرل محمد حسین انصاری صاحب نے تنظیم اسلامی اور تحریکِ خلافت میں شمولیت اختیار کی اور تحریک کے ناظمِ اعلیٰ بنے ہیں، تب سے کچھ زیادہ ہی سختی ہو گئی ہے۔ محترم انصاری صاحب "فوجی جرنیل" ہیں اور داعیٔ تحریک بھی یہی کہتے رہے ہیں کہ انقلابی جماعت کا نظم فوج کا سا ہوتا ہے لہٰذا اب بالفعل بھی ہم جنرل صاحب کی قیادت میں فوجی ڈسپلن کے خوگر ہوتے جا رہے ہیں۔

جلسۂ خلافت کی کارروائی اللہ تعالیٰ کے کلام پاک سے شروع ہوئی۔ تلاوت کی سعادت قاری شاہد اسلام بٹ صاحب کے حصے میں آئی۔ انہوں نے سورۂ صف کے دوسرے رکوع کو اپنی خوبصورت آواز کے زیر و بم سے سجا کر کچھ زیادہ ہی پر تاثر بنا دیا۔ تلاوت کلام پاک کے بعد مائیک سٹیج سیکرٹری جناب فیاض حکیم صاحب کے "قبضے" میں تھا۔ وہ سٹیج سے نعرۂ تکبیر اپنی پوری قوت ایمانی اور گلے کے پورے "والیوم" کے ساتھ لگوا رہے تھے۔ ہمارے ہاں شخصی نعروں کی ریت نہیں ہے اگرچہ نعرۂ تکبیر کی اجازت مرکز نے مرحمت فرما دی ہے۔ تاہم ابھی ہمیں نعروں کی پریکٹس نہیں اور یہی وجہ ہے کہ پروفیسر فیاض حکیم کے جوش و جذبہ کے باوجود موچی دروازہ نعرۂ تکبیر سے گونج نہ سکا۔

ہمارے ایک رفیق افتخار احمد صاحب نے اپنی پرسوز آواز میں کلام حالی سنایا۔ مولانا حالی کی یہ نظم بھی امت کی پستی و زوال کے مرثیہ پر مبنی تھی جبکہ افتخار احمد صاحب کی پرسوز آواز نے بھی ماحول کو افسردہ کر دیا۔ اس کے بعد محترم فیاض حکیم نے تنظیم اسلامی پاکستان کے شعلہ نوا و جواں سال مقرر مرزا ندیم بیگ کو دعوت خطاب دی، جنہوں نے نوجوانوں کے ساتھ بوڑھے دلوں کو بھی گرما دیا۔ میں مرزا ندیم بیگ کو تنظیم اسلامی کا "فرید قاسم" قرار دیتا ہوں۔ "حزب التحریر" کے جواں سال نیم عرب، نیم انگریز رہنما جناب فرید قاسم کو جن لوگوں نے سنا ہے وہ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ ان کے اندر کتنی آگ بھری ہوئی ہے۔ اسی طرح جن لوگوں نے مرزا ندیم بیگ صاحب کی تقریر سنی، وہ بھی ہمارے اس ابھرتے ہوئے مقرر کی شعلہ بیانی سے بھی متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتے۔

مرزا ندیم بیگ کے خطاب کے بعد تحریکِ خلافت پاکستان کے ناظمِ اعلیٰ اور تنظیم اسلامی کے مرکزی ناظم شعبہ نشر و اشاعت جناب جنرل (ریٹائرڈ) محمد حسین

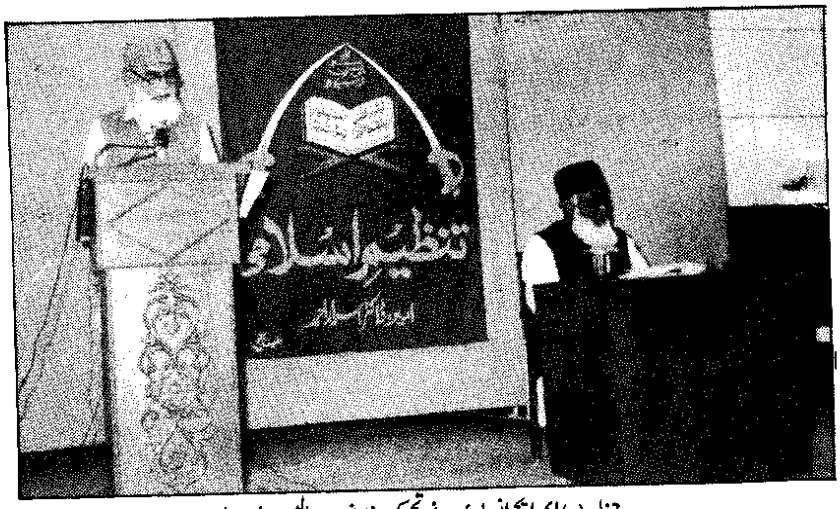

جنرل (ر) ایم ایچ انصاری نے تحریکِ خلافت پر پالیسی بیان دیا

انصاری کو دعوتِ خطاب دی گئی۔ جنرل صاحب نے سورۃ العصر کی تلاوت کی اور اسی کو موضوع گفتگو بنایا۔ مرزا ندیم بیگ صاحب کی جوش و جذبہ سے بھری ہوئی تقریر کے بعد جنرل صاحب نے انتہائی ٹھنڈے لہجے میں ٹھہر ٹھہر کر گفتگو کا آغاز کیا۔ ہم کہہ سکتے ہیں کہ جنرل صاحب کی تقاریر پر جوش کی بجائے ہوش کا غلبہ ہوتا ہے۔ انہوں نے ابتدا میں ہی فرمایا کہ مرثیہ کہنا ملت اسلامیہ کی گویا عادت سی بن گئی ہے۔ انہوں نے کہا کہ محض مرثیہ کہنے سے کچھ نہیں ہو گا۔ اس وقت اس بات کا گہرائی میں اتر کر تجزیہ کرنے کی ضرورت ہے کہ آخر ہر شخص حالات سے شاکی کیوں ہے؟ یہ تجزیہ وقتی سیاسی و مذہبی ہنگاموں اور جھمیلوں سے بلند تر ہو کر ہی کیا جا سکتا ہے۔ جنرل انصاری تحریکِ پاکستان کا ذکر کرتے ہوئے کہہ رہے تھے کہ ۲۳ مارچ ۱۹۴۰ء کی فضا کو میں منٹو پارک میں اپنی سر کی آنکھوں سے دیکھ رہا تھا۔ انہوں نے آبدیدہ ہوتے ہوئے کہا کہ کاش منٹو پارک کو زبان مل جائے اور وہ ان فضاؤں کا نقشہ خود کھینچ کر بتائے۔ تحریکِ پاکستان کی خونیں داستان سنانے کے بعد انہوں نے مشرقی پاکستان کے سانحہ کا ذکر کیا' اس کے اسباب و علل کا تجزیہ کیا اور موجودہ حالات کا موازنہ مشرقی پاکستان کی علیحدگی کے وقت کے حالات سے کرتے ہوئے قوم کو خبردار کیا کہ آثار اب بھی اچھے نہیں۔ جنرل انصاری نے فرمایا کہ اس ملک پر ہر قسم کے لوگ حاکم رہ چکے ہیں' اب آزمانے کو کوئی باقی نہیں رہا۔ انہوں نے کہا کہ نظامِ خلافت کے نفاذ کے بغیر اس ملک کی بگڑی بننے والی نہیں ہے اور ہماری دنیا اور آخرت ہر دو کی کامیابی اسی نظام کے نفاذ سے وابستہ ہے۔ جنرل صاحب نے انتہائی سنجیدگی اور متانت سے شرکاء جلسہ کو سوچنے پر مجبور کر دیا تھا۔

جنرل انصاری صاحب نے ٹھیک نو بجے اپنی تقریر ختم کی جس کے بعد میں اپنی سیٹ سے اٹھا اور موچی دروازہ کے پنڈال پر ایک نظر ڈالی۔ داعیٔ تحریک کے خطاب سے قبل تمام کرسیاں پر ہو چکی تھیں نیز پنڈال کے دونوں طرف کی سیڑھیوں پر بھی لوگوں کی کثیر تعداد موجود تھی۔ اس کے علاوہ ابھی بہت سے لوگ اکا دکا اور ٹولیوں کی شکل میں پنڈال میں داخل بھی ہو رہے تھے۔

یہاں حاضری کا ذکر آیا ہے تو وضاحت کر دوں کہ تنظیم اسلامی ایک چھوٹی جماعت ہے۔ اس چھوٹی سی اجتماعیت کے وسائل انتہائی قلیل ہیں۔ ہمارے پاس نہ امدادی ڈالر ہے نہ "جہادی ڈالر" اور نہ ہی پیٹرو ڈالر' بلکہ ہمارا کل انحصار اپنے غریب رفقاء کی مالی اعانت پر ہے۔ وسائل کی اس قلت کے پس منظر میں ہمارا جلسہ انتہائی کامیاب تھا۔ وسائل کی کمی کے علاوہ ایک اور بات بھی ہے کہ ہم "کرائے" کے سامعین و حاضرین لانے کے ہرگز ہرگز قائل نہیں ہیں۔ الحمدللہ کہیں سے ٹرالیوں اور ٹرکوں میں لاد کر لوگوں کو نہیں لایا گیا۔ ہمارے جلسہ میں جو بھی آتا ہے اپنی آزاد مرضی سے آتا ہے۔ اس کے علاوہ ہم حاضری بڑھانے کے لئے دوسری نیم سیاسی و نیم مذہبی جماعتوں کی طرح کسی قسم کے "ٹانک" رچانے کے بھی روادار نہیں کہ کچھ لوگوں کی دلچسپی کے پروگرام بھی ترتیب دیں۔ بہرحال داعیٔ تحریک کے خطاب کے وقت ہماری توقعات سے کہیں بڑھ کر حاضری تھی۔

داعیٔ تحریکِ خلافت پاکستان جناب ڈاکٹر اسرار احمد مدظلہ نے ٹھیک نو بجے اپنا خطاب شروع کیا۔ آپ کا موضوع تھا "دنیا کا مستقبل' یہودیوں کا عالمیاتی نظام یا عالمی نظامِ خلافت"۔ آپ نے سابقہ امت مسلمہ' یہود کی پوری تاریخ پر ایک طائرانہ نظر دوڑائی۔ آپ نے ثابت کیا کہ اس وقت "WASP" یعنی وائٹ اینگلو سیکسن پروٹسٹنٹ دنیا پر یہودیوں کا مکمل تسلط ہے۔ آپ نے یہودیوں کے اسلام اور امت مسلمہ کے بارے میں مذموم عزائم کو کھول کر بیان کیا۔ انہوں نے واضح کیا کہ پورا عالمِ عرب یہودیوں کے سامنے سجدہ ریز ہے۔ ایک زمانہ تھا جب انور سادات پر پھبتی کسی گئی تھی کہ ہمت ہار کر صیہونیت کے سامنے حالت رکوع میں چلا گیا جب کہ اب حالت یہ ہے کہ سعودی عرب سمیت سب عرب ممالک اسرائیل کے سامنے سجدہ ریز ہیں۔ ایک پاگل لیبیا بظاہر بچا ہوا ہے لیکن وہ بھی تابہ کے!--

داعیٔ تحریک نے اپنی درسِ قرآن کے طرز کی عوامی تقریر کو جاری رکھتے ہوئے فرمایا کہ عالمِ عرب کو فتح کر لینے کے بعد اب یہودیوں کی نظر غیر عرب مسلم دنیا پر ہے۔ غیر عرب مسلم دنیا کی تسخیر کے بعد یہودیوں کا تیسرا شکار مشرق بعید ہو گا۔ یہودی غیر عرب مسلم دنیا کو فتح کرنے کے لئے کشمیر کو اڈے کے طور پر استعمال کرنا چاہتے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ اچانک امریکہ کے پیٹ میں کشمیر کا مروڑ اٹھا ہے۔ داعیٔ تحریک نے حالات کی تاریک و ہیبت ناک تصویر پیش کرنے کے بعد فرمایا کہ ان حالات میں "نویدِ خلافت" پر بظاہر احوال یقین نہیں آتا لیکن یہ دنیا کا مقدر ہے جو اسے مل کر رہے گا۔ آپ نے سب سے پہلے سورۃ صف کی اس آیت "یریدون لیطفؤا نور اللہ بافواھھم واللہ متم نورہ ولو کرہ الکفرون" کے حوالے سے واضح کیا کہ اللہ کے دین کا اتمام کل روئے ارضی پر ہو کر رہنا ہے۔ سورۃ صف کی مذکورہ آیت کے علاوہ آپ نے سورۃ نور کی آیت استخلاف کا بھی حوالہ دیا۔ آپ نے ایک طویل حدیث مبارکہ کی روشنی میں جسے انہوں نے بہت عام کر دیا ہے' امت مسلمہ کے پانچ ادوار کو تفصیل کے ساتھ بیان کیا اور بتایا کہ ابھی پانچواں دور آنا ہے کہ جب کل روئے ارضی پر اللہ کا دین غالب ہو جائے گا۔ اس دین حق کے کامل غلبہ سے پہلے کیا کیا قیامتیں گزرنی ہیں جو چوتھے دور کی طوالت کے باعث بڑھتی چلی جا رہی ہیں' آپ نے ان کو بھی کھول کر بیان کیا۔

داعیٔ تحریکِ خلافت نے کہا کہ غیر عرب مسلم دنیا میں یہودیوں کا سب سے پہلا ہدف پاکستان ہے۔ یہ وہی پاکستان ہے جو ۱۹۴۷ء میں وجود میں آیا جبکہ اسرائیل کا قیام ۱۹۴۸ء میں ہونا تھا گویا اللہ تعالیٰ نے اسرائیل کا توڑ پہلے ہی پیدا کر دیا' جس طرح وہ بچے کے پیدا ہونے سے پہلے ہی ماں کی چھاتیوں میں دودھ پیدا کر دیتا ہے۔ انہوں نے کہا کہ پاکستان پر یہودیوں نے تین جہتوں سے حملہ کیا۔ اس کے حملے کی پہلی صورت یہ ہے کہ پاکستان کے ایٹمی دانت نہیں نکلنے چاہئیں۔ دوسری جہت بے حیائی و اباحیت کو عام کرنا اور خاندانی نظام کو تباہ و برباد کر دینا ہے اور تیسرا پہلو یہ کہ ڈالروں کی یلغار کے ذریعے پاکستان کی معیشت کو سنہری زنجیروں میں جکڑ کر چھوڑ دیا جائے۔ داعیٔ تحریک نے اپنے خطبہ کے اختتام میں یہ بھی واضح کیا کہ ان حالات میں ہمارے لئے کرنے کا اصل کام کیا ہے؟۔ آپ نے کہا کہ ضرورت اس امر کی ہے کہ ایک عوامی تحریک اٹھائی جائے جو فرقہ واریت' کشمکش اقتدار اور لسانی و صوبائی تعصبات سے بلند تر ہو۔ انہوں نے نظامِ خلافت کے اجتماعی نظام کا ایک مختصر خاکہ بھی بیان کیا اور اسلامی انقلاب کے مراحل کو بھی اختصار کے ساتھ بیان کر دیا۔

داعیٔ تحریک نے اپنے خطبہ کے اختتام پر چند قراردادیں بھی پیش کیں جو اس عظیم الشان اجتماع نے پورے جوش و خروش کے ساتھ منظور کیں۔ داعیٔ تحریک کے اڑھائی گھنٹے پر مبنی مفصل خطاب کو پوری توجہ اور حاضر دماغی کے ساتھ سنا گیا۔ عموماً اس طرح کے جلسوں میں کوئی علمی و فکری گفتگو نہیں ہوا کرتی

بلکہ محض اپنی طاقت کا ایک مظاہرہ ہوتا ہے۔ گویا مقررین کے پیشِ نظر بھی کوئی فکری مواد دینا نہیں ہوتا۔ داعیٔ تحریک نے جلسۂ عام میں ایک بھرپور علمی و فکری تقریر فرمائی اور مزے کی بات یہ ہے کہ آخر تک لوگوں کی توجہ کو منہمک رکھا۔ اگر یہ کہا جائے کہ حاضرین جلسہ پوری طرح داعیٔ تحریک کی گفتگو میں گم تھے تو غلط نہ ہوگا۔ داعیٔ تحریک کے خطاب کے بعد دعا کے ساتھ یہ جلسہ اپنے اختتام کو پہنچا۔

اگلے روز یعنی ۲۲ اکتوبر سے تنظیم اسلامی پاکستان کے سالانہ اجتماع کے باقی پروگرام قرآن آڈیٹوریم میں ہی منعقد ہوئے۔ اس سال سالانہ اجتماع کی تفصیلی روداد سے پہلے چند باتیں عمومی نوعیت کی بیان کر دینا مناسب ہے۔ پہلی بات یہ ہے کہ گزشتہ سالانہ اجتماعات کے برعکس اس سال اجتماع کا تمام انتظام و انصرام ہمارے نوجوان رفقاء نے کیا اور اس میں کوئی شک نہیں کہ انہوں نے کامیابی کے جھنڈے گاڑ دیئے۔ نوجوانوں کو جوش و جذبے کے ساتھ کام کے مواقع بھی تو ملنے چاہئیں!۔ کوئی میدان ہی سامنے نہ ہو تو وہ دوڑ کیا لگا کر دکھائیں' ان کے جوہر کیونکر کھلیں۔ ناظم اجتماع بھائی عمران چشتی بھی ہماری لاہور تنظیم کے ایک نوجوان فعال رفیق ہیں جبکہ نائب ناظم بھائی طارق جاوید ان سے بھی کم عمر رفیق ہیں۔ اس حوالے سے یہ بات اطمینان بخش ہے کہ اب تنظیم کے اندر اعلیٰ تنظیمی صلاحیتوں کے مالک رفقاء کی ہرگز کوئی کمی نہیں ہے۔

دوسری عمومی نوعیت کی بات یہ ہے کہ اس سالانہ اجتماع کے تقریباً تمام مقررین بھی ہمارے نوجوان رفقاء ہی تھے۔ گویا ہم کہہ سکتے ہیں کہ میر کارواں نے اپنی زندگی میں ہی نہ صرف یہ کہ دوسری صف تیار کر لی بلکہ الحمدللہ تیسری صف بھی اب میدان میں اترنے کے لئے اجازت کی طلبگار ہے۔ جب ہمارے نوجوان ساتھی تقاریر کر رہے تھے تو یہ وقائع نگار سوچ رہا تھا کہ ان نوجوانوں کی نکھری ہوئی صلاحیتوں کے مظاہرہ سے میر کارواں کو کتنی ٹھنڈک اور تسکین میسر ہوئی ہوگی جن کو جلا بخشنے کے لئے انہوں نے اپنی زندگی کی موم بتی کو دونوں سروں سے جلائے رکھا۔ اور تیسرا گہرا تاثر یہ کہ گزشتہ سالانہ اجتماعات کے برعکس اس سال کی تقاریر نے دماغوں کو نہیں دلوں کو نشانے پر رکھا۔ گزشتہ سالانہ اجتماعات کے موقع پر عموماً علمی و فکری نوعیت کی تقاریر درس قرآن کی سی صورت میں ہمارے سامنے آتی تھیں جبکہ اس سال ہر مقرر نے رفقاء کے قلوب پر دستک دی اور ان کی آواز کی گھن گرج' جذبوں کی حدت اور خلوص کی شدت کی وجہ سے وہ صدائے درد پوری طرح سنی بھی گئی اور دلوں پر نقش بھی ہوئی ہے۔

۲۲ اکتوبر کا پہلا سیشن صبح آٹھ بجے شروع ہوا۔ واقعتاً یہ بہت ہی صبر آزما نشست تھی۔ اس نشست میں تنظیم اسلامی کی تین سالانہ رپورٹیں پڑھ کر سنائی گئیں۔ پہلی تنظیم اسلامی پاکستان کی سالانہ رپورٹ تھی جو ناظم اعلیٰ ڈاکٹر عبدالخالق صاحب نے پیش کی۔ دوسری رپورٹ تنظیم اسلامی بیرون پاکستان کی تھی جو تنظیم اسلامی بیرون پاکستان کے ناظم اعلیٰ جناب سراج الحق سید صاحب نے پیش کی۔ تیسری رپورٹ حلقۂ خواتین کی مرکزی رپورٹ تھی جو تیار تو بیگم شیخ رحیم الدین نے کی تھی لیکن پیش برادرم عاکف سعید صاحب نے کی۔ رپورٹوں والا یہ کام بظاہر بہت ہی "روکھا" لیکن نہایت اہم ہوتا ہے۔ انہی رپورٹوں کے حوالے سے ہی سال بھر کی کارکردگی کا جائزہ لیا جا سکتا ہے اور سود و زیاں کے اس میزانئے کے حوالے سے ہی آئندہ کے پروگرام طے کئے جاتے ہیں۔ بقول علامہ اقبال ؎

صورت شمشیر ہے دست قضا میں وہ قوم
کرتی ہے جو ہر زماں اپنے عمل کا حساب!

اور ؎

مری صراحی سے قطرہ قطرہ نئے حوادث ٹپک رہے ہیں
میں اپنی تسبیح روز و شب کا شمار کرتا ہوں دانہ دانہ!

اس نشست میں پیش کی جانے والی رپورٹوں کو امیرِ محترم نے بھی حوصلہ افزا قرار دیا۔ عموماً یہ ہوتا ہے کہ رپورٹوں میں "بڑھا بھی دیتے ہیں کچھ زیب داستان کے لئے" کا معاملہ ہوتا ہے۔ لیکن تنظیم اسلامی میں صحیح صحیح اعداد و شمار کے حوالے سے سال بھر کی کارکردگی پیش کر دی جاتی ہے۔ رپورٹوں سے اندازہ ہوا کہ ہمارے قدم بتدریج آگے بڑھ رہے ہیں جس کے لئے امیرِ محترم آہستہ خرام لیکن ثابت قدم --- "Slow and Steady" کی اصطلاح استعمال کرتے ہیں۔

۲۲ اکتوبر کی دوسری نشست میں ہمارے نوجوان رفقاء کی تقاریر تھیں۔ سب سے پہلا لیکچر جناب اقبال حسین امیر تنظیم اسلامی لاہور شمالی کا تھا۔ ان کے لیکچر کا موضوع "طاغوتی نظام اور تقویٰ کی حیثیت" تھا۔ انہوں نے آیۂ برّ کی تلاوت کی اور اس کے بھی صرف ایک حصے سے اپنے موضوع کا مختلف گوشوں سے احاطہ کرنے کے بعد فرمایا کہ اس وقت ہم اسی مقام پر کھڑے ہیں جہاں صحابہؓ کھڑے تھے جب وہاں نظامِ خلافت قائم نہ ہوا تھا۔ تب انہوں نے اپنا سب کچھ اس نظام کو قائم کرنے کے لئے لگا دیا۔ اس وقت متقی ہونے کے لئے لازم ہے کہ کسی ایسی اجتماعیت میں شمولیت اختیار کی جائے جو نظامِ باطل سے نبرد آزما ہو۔ اس کے برعکس اگر کوئی شخص باطل نظام کی برکات سے متمتع ہوتے ہوئے ظاہری بود و باش میں تقویٰ کا لبادہ اپنے اوپر چڑھا بھی لے تو حقیقت میں وہ متقی نہیں ہے۔

اس نشست کے دوسرے مقرر کراچی وسطی کے امیر شمس العارفین بھائی تھے۔ ان کی تقریر کا موضوع "شہادت علی الناس" تھا۔ انہوں نے اپنی گفتگو کے آغاز میں ہی گواہی کے چار پہلو بیان کئے۔ یہ چار پہلو قولی و عملی اور انفرادی و اجتماعی ہوتے ہیں۔ انہوں نے

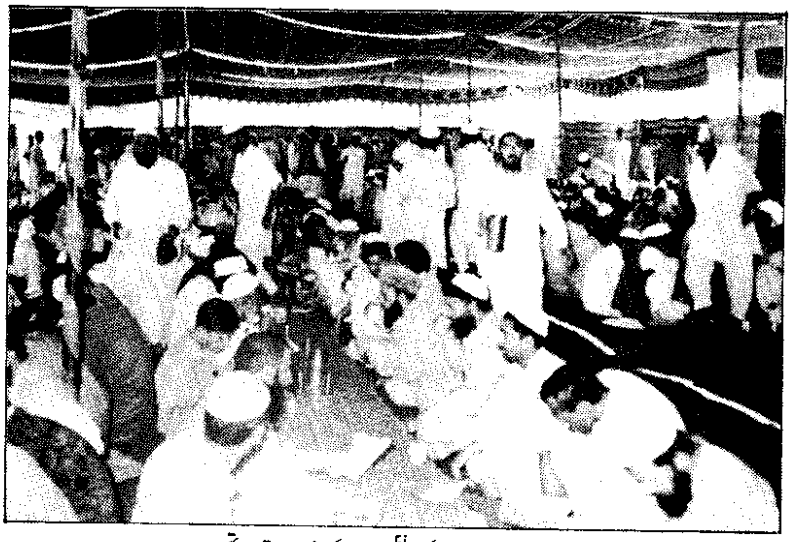

"پیٹ پوجا" میں بھی نظم و ضبط کی شان برقرار تھی

کہا کہ حزب اللہ اور حزب الشیطن کے درمیان کشمکش ازل سے جاری ہے اور ابد تک جاری رہے گی۔ گویا بقول اقبال۔

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز
چراغ مصطفوی سے شرارِ بولہبی!

بھائی شمس العارفین نے شہادت علی الناس کی فلسفیانہ بحث کو چھیڑے بغیر تاریخ دعوت و عزیمت سے شہادتوں کی مختلف داستانوں کا حوالہ دیا جو تاریخ کی سوچ پر رقم ہو چکی ہیں۔ ان کا اپنا کہنا یہ تھا کہ شہادت علی الناس کی داستان طویل ہی نہیں دلچسپ اور رنگین بھی ہے۔ اسی طرح کی ایک رنگینی طائف کا مقدر بنی تھی! اب شہادت علی الناس کی بھاری بھرکم ذمہ داری ہم ناچیزوں کے ناتواں کندھوں پر آن پڑی ہے۔ گویا "ناچار گنہگار سوئے دار چلے ہیں" لیکن "یہ رتبہ بلند ملا جس کو مل گیا"۔ شہادت کی تاریخ کے کسی گوشے میں اگر ہمارا نام رقم ہو گیا تو یہ بہت بڑی غنیمت ہے۔

اگلے مقرر صادق آباد سے بھائی خالد شفیع تھے جو ماشاء اللہ حافظ قرآن بھی ہیں۔ ان کی تقریر کا موضوع "فکر آخرت" تھا۔ انہوں نے اپنی گفتگو سورۂ منافقوں کی آیت "یایھا الذین امنوا لا تلھکم اموالکم ولا اولادکم عن ذکر اللہ" سے شروع کی اور قرآن حکیم کے متعدد مقامات سے آیات اور بہت سی احادیث کے حوالے سے اپنے موضوع کا حق ادا کیا۔ اللہ تعالیٰ نے بھائی خالد شفیع کو قوت بیان سے بڑی ہی فراخدلی سے نوازا ہے۔ ان کی آواز کی گھن گرج، الفاظ و تراکیب کے انتخاب، آیات و احادیث کے حوالوں، اشعار کے

امیرِ تنظیم نے مہمان مقررین کا تعارف کرایا

برمحل استعمال اور دل کے سوز نے حاضرین کو بہت متاثر کیا۔ بھائی خالد شفیع نے بے ساختہ امیر محترم کے بے داغ ذاتی کردار کی طرف بھی اشارہ کیا۔ ان کا کہنا تھا کہ ہمارے قائد کے قول و فعل میں تضاد نہیں ہے۔ انہوں نے اپنی اولاد اور بھائیوں کو بھی اسی کام میں کھپا دیا ہے جسے خود حق جانا۔ بلاشبہ آج کی نشست کے نمبر ایک مقرر بھائی خالد شفیع ہی تھے۔ انہوں نے محفل کو لوٹ لیا۔

۲۲ اکتوبر کی تیسری نشست بعد از نماز عصر شروع ہوئی۔ اس نشست میں بیرونِ پاکستان سے آئے ہوئے رفقاء تنظیم اسلامی کا مختصر تعارف انہی کی زبان سے کرایا گیا۔ اس تعارفی پروگرام کے بعد کچھ وقت ابھی باقی تھا، جس سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ہمارے بزرگ ساتھی جناب مولانا حضرت گل مدظلہ کا مختصر خطاب ہوا۔ انہوں نے "خلافت کیا ہے" کے موضوع پر گفتگو فرمائی۔ ان کا کہنا تھا کہ خلافت کے معنی ہیں انسانوں کا انسانوں کے قانون سے آزاد ہو جانا اور اللہ کے قانون کو قبول کر لینا۔ انہوں نے کہا کہ ناکامی یہ نہیں ہے کہ ہماری زندگیوں میں نظامِ خلافت قائم نہ ہو بلکہ دنیا و آخرت کی اصل ناکامی یہ ہے کہ کام چھوڑ کر بیٹھ رہا جائے۔

۲۲ اکتوبر کی چوتھی نشست نماز مغرب کے بعد شروع ہوئی۔ یہ ایک عوامی نوعیت کا پروگرام تھا۔ امیر محترم مدظلہ نے اپنی اچھوتی بلکہ عدیم النظیر روایت کو نبھاتے ہوئے ان دوسری جماعتوں کے قائدین کو بھی تنظیم اسلامی کے سالانہ اجتماع کے موقع پر اظہار خیال کا موقع دیا تھا جو انتخابی سیاست کے میدان سے باہر رہ کر انقلاب کا علم بلند کر رہی ہیں۔ امیر محترم مدظلہ نے اس اجلاس کی خصوصی نوعیت کو اپنے افتتاحی خطاب میں بیان کر دیا۔ امیر محترم نے بتایا کہ عموماً ایسے نہیں ہوتا کہ جہاں کسی ایک جماعت کے اپنے رفقاء جمع ہوں، وہاں دوسرے اصحاب فکر کو دعوت دی جائے۔ انہوں نے کہا کہ میری یہ شعوری کوشش رہی ہے کہ میرے ساتھی کنویں کے مینڈک بن کر نہ رہ جائیں۔ انہوں نے مزید ارشاد فرمایا کہ اس اجلاس سے دو مقاصد کا حصول مطلوب ہے۔ ایک یہ کہ اس تاثر کا ازالہ کرنا کہ دینی و مذہبی جماعتوں کے زعماء اکٹھے نہیں ہوتے۔ دوسرا یہ کہ ہمارے رفقاء کو معلوم ہونا چاہئے کہ دوسرے اصحاب فکر زوال امت کی تشخیص کیا کرتے ہیں اور اس کا علاج انہوں نے کیا تجویز کیا ہے۔

امیرِ محترم نے اپنی اس روایت کا پس منظر بھی قدرے تفصیل کے ساتھ بیان کیا۔ ان کا کہنا یہ تھا کہ دوسرے اہل علم و فکر کو دعوت نہ دینا تنگ نظری

سٹیج پر (دائیں سے بائیں) حزب التحریر کے برادر نواز خان، مدیر ندائے خلافت، بزرگ رفیق میر محمد شفیع، حزب التحریر کے برادر ذوالفقار شاہنواز، جنرل (ر) ایم ایچ انصاری

میجر منہاس اپنی تحریک کے اہداف بیان کرتے ہوئے

ہے۔ آپ نے شروع میں ہی مہمان مقررین سے یہ گزارش کر دی کہ آج کے اس اجلاس کا عنوان "اقامت دین کا طریق کار" ہے۔ لہٰذا براہ کرم اسلامی انقلاب' اقامت دین یا نظام خلافت کی اہمیت بیان کرنے پر وقت صرف نہ کیا جائے کیونکہ جو لوگ یہاں جمع ہیں انہیں اس کی اہمیت کا ادراک حاصل ہے تبھی اس قافلے کے ہمسفر ہوئے ہیں۔ امیرِ محترم نے ایک اور گزارش یہ کی کہ اپنی بات کو مثبت انداز میں بیان کرنے پر اکتفا کیا جائے۔ عموماً ایسے اجتماعات میں ہوتا یہ ہے کہ زعماء ایک دوسرے کی باتوں کا جواب دینا شروع کر دیتے ہیں' جس سے اصل مقصد کا حصول مشکل ہو جاتا ہے۔

اس نشست کے پہلے مہمان مقرر مولانا مفتی سید جمال الدین شاہ کاظمی صاحب تھے جو تحریکِ اسلامی انقلاب کے امیر ہیں۔ محترم کاظمی صاحب کراچی سے تشریف لائے تھے۔ مولانا کاظمی کا تعلق اہل سنت کے بریلوی مکتب فکر سے ہے۔ محترم کاظمی صاحب نے ایک بات کا اعتراف شروع میں ہی کر لیا کہ ابھی تک وہ اپنی جماعت کی کوئی تنظیم نہیں بنا سکے۔ ان کا کام ابھی فکری مراحل سے گزر رہا ہے۔ اپنی گفتگو کے آغاز میں انہوں نے کہا کہ اتحادِ امت اس وقت تک ممکن نہیں جب تک علماء دین پرانی ڈگر کو ترک نہیں کریں گے۔ ان کا کہنا تھا کہ علماء کو اس بات کا احساس نہیں ہے کہ ہم کافرانہ نظام میں سانس لے رہے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ باطل کو شکست فاش دینے کے لئے ہمیں جانوں کے نذرانے دینے ہوں گے۔ اسلام میں الیکشن کا مروجہ نظام جائز ہی نہیں ہے' لیکن اس بحث میں پڑے بغیر اگر دیکھا جائے تو مذہبی جماعتیں انتخابات میں ناکام رہی ہیں۔ انہوں نے دو ٹوک انداز میں کہا کہ الیکشن کے ذریعے اسلامی انقلاب کی منزل سر کرنا ممکن نہیں ہے' اسلامی انقلاب کے لئے تو مجاہدین کی ضرورت ہے۔ اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ وہ مجاہدین کیا کریں گے؟ عہد حاضر میں جہاد کیسے شروع ہو گا؟ اس سوال کا شافی و کافی جواب مولانا کاظمی نہ دے سکے۔ اگرچہ ایک سوال کے جواب میں انہوں نے بڑے ہی دھڑلے سے یہ فتویٰ دیا کہ فاسق و فاجر مسلمان حکمرانوں کے خلاف خروج جائز ہے۔ ان سے سوال کیا گیا تھا کہ موجودہ حالات میں جبکہ معاشرہ مسلمانوں پر مشتمل ہے اور نظام کافرانہ ہے' جہاد کیسے ہو گا تو ان کا جواب تھا کہ حکمرانوں کو بتانا ہو گا کہ ہم قرآن و سنت کا نظام لانا چاہتے ہیں' اگر وہ قبول نہ

تنظیم الاخوان کے مولانا محمد اکرم اعوان

کریں تو پھر جہاد بالید ہو گا۔

مولانا سید جمال الدین کاظمی صاحب کی گفتگو تصنع اور بناوٹ سے پاک تھی۔ ان کے مزاج کی سادگی اور وضع قطع میں فقر کی جھلک واقعی متاثر کرنے والی تھی۔ علماء کے حلقے سے اس طرح کے لوگوں کا نکل آنا غنیمت ہے۔

ہمارے اگلے مہمان مقرر برادر جمال ہاروڈ تھے۔ جناب جمال ہاروڈ کا تعلق کینیڈا سے ہے لیکن ۱۹۸۵ء میں اسلام قبول کرنے کے بعد سے وہ اگلے سال حزب التحریر سے وابستہ ہو گئے اور اب اس کے سرگرم رہنما ہیں۔ حزب التحریر کے دوسرے دو نمائندے برادر نواز خان اور برادر فرید قاسم تھے۔ حزب التحریر کے افکار و نظریات کیا ہیں' ان کا طریقۂ انقلاب کیا ہے' اس پر قارئین "ندائے خلافت" کسی آئندہ شمارے میں اپنے مدیر اقتدار احمد صاحب کی مفصل تحریر ملاحظہ فرمائیں گے۔ یہاں صرف دو باتیں عرض کرنی ہیں۔ ہمارے ان مقررین کی گفتگو سے اس بات کا کسی قدر اندازہ ہو جاتا ہے کہ نظامِ خلافت برپا کرنے کے لئے ان کا زیادہ تر انحصار کسی مسلمان ملک کی فوج کی "نصرت" پر ہے۔ ان کا کہنا یہ ہے کہ ہم فوج سے ٹکرائیں گے نہیں بلکہ ان کو اپنا ہم خیال بنائیں گے اور ان سے "نصرۃ" حاصل کریں گے۔ دوسرا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ نظامِ خلافت بالفعل ہے کیا اور دور جدید میں اس کی متعین شکل کیا ہو گی؟ اس سوال کا جواب اگر ان کی گفتگوؤں سے تلاش کیا جائے تو یہ ہے کہ وہ نظامِ خلافت کی اسی تعبیر کو درست سمجھتے ہیں جو ہمارے قدیم فقہاء نے اپنی کتابوں میں بیان کی ہے۔ ان کا سارا استدلال فقہ سے ہے۔ اسی لئے ہم

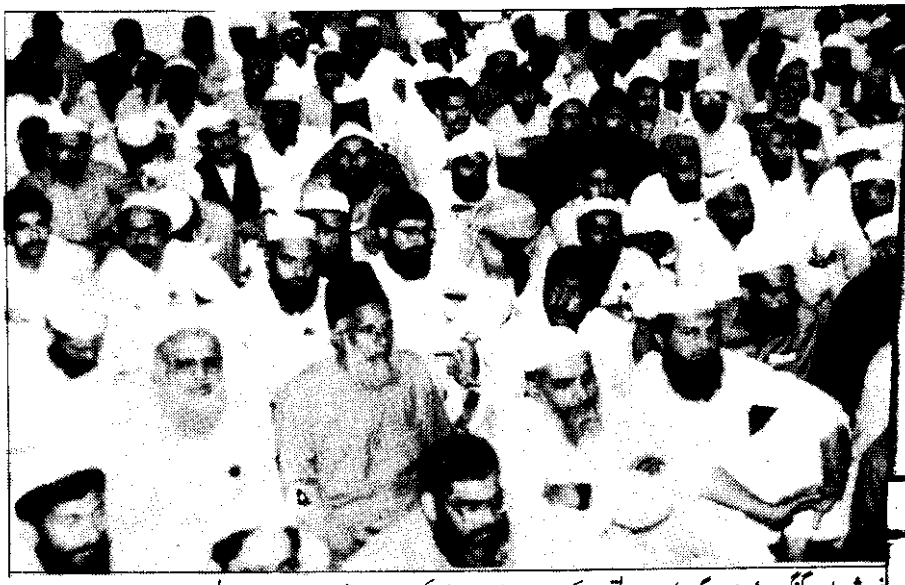

نور رشید احمد گنگوہی' صفدر بیگ' حزب التحریر کے برادر جمال ہاروڈ' ڈاکٹر عارف رشید اور سید سراج الحق

نے دیکھا کہ وہ اپنے موقف کے دلائل علامہ سرخسیؒ کی "المبسوط" قاضی ابو یوسفؒ کی "کتاب الخراج" اور امام ابوالحسن علی ماوردیؒ کی "الاحکام السلطانیہ" جیسی کتابوں سے لیتے ہیں۔ یہ حضرات صدارتی و پارلیمانی ہر دو نظاموں کو کلیتاً کفر و ضلالت سے تعبیر کرتے ہیں۔ اگر ان کے افکار کو دیکھا جائے تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ ان کی فکر عصرِ حاضر کا ساتھ شاید ہی دے

اس فکری اختلاف کے باوجود ان حضرات کی مقصد کے ساتھ لگن اور جذبہ کی شدت قابلِ رشک ہے۔ برادر فرید قاسم میں جو پچھلے تین سال سے مفلوج ہیں واقعتاً آگ بھری ہوئی ہے۔ نظامِ خلافت کو وہ امت مسلمہ کے تمام مسائل کا حل قرار دیتے ہیں۔ ان کے نزدیک امت مسلمہ کے لئے "خلافت" موت اور زندگی کا مسئلہ ہے۔ حزب التحریر کی دعوت بلاد غرب میں بہت تیزی سے پھیل رہی ہے۔ ان لوگوں سے متاثر ہونے والوں کی اکثریت نوجوانوں پر مشتمل ہے۔ اس بات کی دلیل یہ ہے کہ ان کی ٹاپ کلاس قیادت کل کی کل نوعمر لوگوں پر مشتمل ہے۔

۲۳ اکتوبر کو بھی تنظیم اسلامی پاکستان کے نوجوان مقررین نے رفقاء سے خطاب کیا۔ اس روز پہلی نشست کے پہلے مقرر تنظیم اسلامی کراچی غربی کے رفیق بھائی عابد جاوید تھے۔ ان کی تقریر کا موضوع "تحریکی کارکنوں کے لئے شرک کی اہمیت اور اس کی پہچان" تھا۔ انہوں نے توحید و شرک کا فلسفہ نیز شرک کی مختلف اقسام پر تفصیل سے روشنی ڈالی۔ ان کا کہنا تھا کہ نظام خلافت برپا ہونے کے بعد ہی توحید مکمل ہو گی کہ پورا نظام اجتماعی اللہ کی بندگی میں آ جائے گا۔ انہوں نے آیت استخلاف سے استدلال کرتے ہوئے کہا کہ جب نظام حکومت برپا ہو جائے گا تب ہی "یعبدوننی ولا یشرکون بی شیئا" ہو گا یعنی وہ میری ہی بندگی اختیار کریں گے اور میرے ساتھ کسی کو شریک نہیں کریں گے۔

ہمارے اگلے مقرر ملتان تنظیم کے نائب امیر جناب اظہر سعید عاصم تھے۔ انہوں نے خود ہی اپنی تقریر کا کوئی موضوع تجویز نہ کیا تھا۔ جناب اظہر سعید عاصم کی تقریر جذبات سے بھرپور تھی۔ ان کی تقریر کے دوران پورے ماحول پر گریہ کی کیفیت طاری رہی۔ کئی ایسے لمحات بھی آئے جب میر کارواں سے بھی ضبط نہ ہو سکا اور آنسوؤں سے ان کے رخسار تر ہو گئے۔ اظہر سعید عاصم صاحب فرما رہے تھے کہ ہم خوش نصیب ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں اقامت دین جیسی بھاری ذمہ داری کے لئے منتخب فرمالیا ہے۔ اللہ نے ہمیں ایسا قائد عطا فرمادیا ہے کہ جس نے عہد حاضر میں قرآن کے پیغام کو زندہ کر دیا۔ ہم تب سرخرو ہوں گے جب ہمارا قائد اپنے قافلے کے بوڑھوں اور جوانوں کو یہ کہہ کر اللہ کے حضور پیش کر دے گا کہ اے اللہ! میں نے تیری عطا کردہ اپنی صلاحیتیں کھپا کر بس اتنی ہی پونجی جمع کی تھی جن کا "حساب کم و بیش" تیرے دفتر میں محفوظ ہے۔ جناب اظہر سعید عاصم نے کہا کہ کشمیر میں جو خون کا دریا بہہ رہا ہے وہ بڑی تیزی

(دائیں سے بائیں) جنرل (ر) ایم ایچ انصاری' حزب التحریر کے برادر جمال ہاروڈ' سید سراج الحق اور برادر فرید قاسم

سے ہماری طرف آ رہا ہے اور جب وہ ہماری طرف آئے گا تو ہمیں بہا کر لے جائے گا لہٰذا قبل اس کے کہ وہ ہمیں بہا لے جائے ہمیں اس کے آگے بند باندھنا ہو گا۔

ہمارے تیسرے مقرر تنظیم اسلامی پاکستان کے "کم سن لیکن بھاری بھرکم" رفیق مرزا ندیم بیگ تھے۔ ان کی تقریر کا موضوع "نظام خلافت بمقابلہ نظام جمہوریت" تھا۔ انہوں نے اپنی گفتگو کا آغاز نظام کی فنی تعریف سے کیا۔ ان کا کہنا تھا کہ جمہوریت کا مبدا الحاد و دہریت ہے۔ آج جمہوریت کو آزادی کا نشان سمجھا جاتا ہے حالانکہ نظامِ جمہوریت بدترین آمریت ہے۔ مرزا ندیم صاحب نے عہد حاضر کے معروف ترقی یافتہ جمہوری ممالک امریکہ اور برطانیہ کے معاشروں کی ایک بھیانک تصویر بھی جرائم کے اعداد و شمار کے حوالے سے ہمارے سامنے رکھی۔ انہوں نے بتایا کہ جمہوریت کے آشیانے یعنی مغرب کا خاندانی نظام تباہ و برباد ہو کر رہ گیا ہے اور جہاں تک تعلق ہے سیاسی نظام کا' تو وہ بھی دراصل بدترین آمریت پر مبنی ہے۔ اس نظام کی بنیاد ہی انسانی حاکمیت کے شرک پر ہے اور معاشی نظام خالصتاً سودی ہے۔ بھائی ندیم بیگ نے جمہوری نظام کی قباحتوں سے پردہ اٹھانے کے بعد نظامِ خلافت کی برکات پر بھی تفصیل سے روشنی ڈالی۔ ان کا کہنا ہے کہ "نیو ورلڈ آرڈر" کا مقابلہ "مصطفوی ورلڈ آرڈر" ہی کر سکتا ہے۔ ہمیں مومنین کا لشکر تیار کر کے ظالمانہ نظام کا خاتمہ کرنا ہے۔

ہمارے آتش بیاں مقرر مرزا ندیم بیگ۔

اگلے مقرر لاہور شرقی نمبر ۲ کے امیر بھائی اشرف وصی تھے جنہوں نے "حیاء اور ایمان کا باہمی تعلق" کے موضوع پر خطاب فرمایا۔ انہوں نے اپنی گفتگو کے آغاز میں کہا کہ میرے اصل مخاطبین رفقاء تنظیم اسلامی ہیں۔ انہوں نے کہا کہ آج یہودی لابی کا اسلام کے خلاف سب سے بڑا ہتھیار ہی یہ ہے کہ بے حیائی کو اتنا عام کر دو کہ لوگوں میں اسلام کو قبول کرنے کی صلاحیت ہی ختم ہو جائے۔ انہوں نے ایک مغربی مفکر کا یہ قول بھی سنایا کہ "اسلام کا خاتمہ بے حیائی سے ہی ممکن ہے"۔ بھائی اشرف وصی نے خبردار کیا کہ اگر ہم نے اس کلے کو مضبوطی سے نہ تھاما اور بے حیائی کے سیلاب کو نہ روکا تو ہمارے لئے اس طرح کی محفلیں

سجانا بھی مشکل ہو جائے گا۔ مغرب کا منصوبہ یہ ہے کہ نکاح کے رواج کو کم کیا جائے اور زنا کو عام کیا جائے تاکہ آبادی میں اضافہ نہ ہونے پائے۔ بھائی اشرف وصی نے کہا کہ نظامِ خلافت کے قیام کے لئے کرنے کے دو کام ہیں۔ ایک یہ کہ دعوت کو دروس قرآن کی شکل میں عام کیا جائے اور دوسرا یہ کہ جو لوگ ان دروس سے جذبہ تازہ لے کر جائیں ان سے ذاتی حیثیت میں ملا جائے۔ اگر یہ دوسرا کام نہ کیا گیا تو رفقاء کی محنتیں ضائع ہو جائیں گی۔ اشرف وصی صاحب کی تقریر جوش اور ہوش کا حسین امتزاج تھی۔

اس نشست کے اگلے خطیب ناظم حلقہ آزاد کشمیر خالد محمود عباسی تھے۔ بھائی عباسی صاحب قرآن کالج کے گریجوایٹ اور ہمارے نوجوان ساتھی ہیں۔ انہوں نے "فلسفہ موت و حیات" پر گفتگو کی اور بڑی ہی عالمانہ فاضلانہ باتیں کیں۔ انہوں نے فلسفہ موت و حیات بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے موت اور زندگی کی تخلیق ہی اس لئے کی کہ وہ آزمانا چاہتا ہے کہ کون اچھے اعمال کرتا ہے۔ انہوں نے کہا کہ جامد مذہبیت نے اعمال صالحہ کے تصور کو بگاڑ کر رکھ دیا ہے۔ ہر نبی کا پہلا دشمن یہی مذہبی طبقہ ہوا کرتا ہے۔ اس مذہبی طبقہ نے ہر دور میں انسان کا استحصال کیا ہے اور یہی وجہ ہے کہ عہدِ حاضر میں طبقہ علماء کے لئے عوام کے دلوں میں محبت کی جگہ نفرت کے جذبے نے لے لی ہے۔ اس وقت صورتحال یہ ہے کہ اس قدیم و جامد مذہبیت نے ایک تحریک کی صورت بھی اختیار کر لی ہے۔ "احسن عملاً" کے حوالے سے گفتگو کرتے ہوئے بھائی عباسی نے "احسن" کا مفہوم بھی بیان کیا ہے۔ اسی لفظ "احسن" سے احسان بھی ہے۔ "احسان" کے لفظ کا غلط استعمال یوں ہوا کہ انسان کے ایک اعلیٰ جذبے کا استحصال کیا گیا۔ ان کا کہنا تھا کہ قرآن کی روشنی میں انسان مشقت میں پیدا ہوا ہے نہ کہ لذت آشنائی کے لئے۔ انہوں نے خانقاہی نظام کو خامیوں اور نقصانات پر بھی گفتگو کی۔

عباسی صاحب نے اپنی گفتگو کے اختتام پر فرمایا کہ امیرِ محترم نے اپنی بات پاکستان کے کونے کونے میں پہنچا دی ہے۔ اب یہ ہمارا کام ہے کہ اس کو ایک ایک شخص تک پہنچائیں۔ لیکن اس کے لئے ہمیں دین کو دنیا پر بہرحال ترجیح دینا ہو گی۔ ہمارے سامنے صحابہؓ کی سیرت موجود ہے۔ انہوں نے کبھی دین پر دنیا کو ترجیح نہیں دی۔ انہوں نے کہا کہ اس وقت ملکی صورت حال جو نہج اختیار کر چکی ہے، اس کو سامنے

نوجوان مقرر خالد محمود عباسی --- اَللّٰھُمَّ زِدْ فَزِدْ

رکھا جائے تو ہماری دنیا بھی جاتی نظر آتی ہے۔ اگر یہی حالات رہے تو پاکستان بھی بوسنیا اور کشمیر بن جائے گا۔

بھائی خالد عباسی کی تقریر واقعی ہلا دینے والی تھی۔ وہ قرآن کالج میں میرے کلاس فیلو رہے ہیں چنانچہ میں اسی سوچ میں گم رہا کہ وہ اتنے اچھے مقرر کیسے بن گئے! بعد میں ایک ساتھی سے اس کا ذکر کیا تو وہ کہنے لگے کہ ان کو اقامتِ دین کی فرضیت کے احساس اور جذبہ عمل نے ایک اچھا مقرر بنا دیا ہے۔ پھر یہ کہ ان کی گفتگو اس قدر بے باکانہ اور متاثر کن کیوں تھی؟ اس کی وجہ ہمارے انہی بزرگ رفیق نے یہ بتائی کہ وہ کشتیاں جلا کر اس میدان میں کود چکے ہیں لہٰذا ایسی باتیں وہی کہہ سکتے ہیں۔ انہوں نے گویا مکتب کی فضا کو خیر آباد کہہ کر میدان جہاد کو اختیار کر لیا ہے بقول اقبال۔

اے شیخ بہت اچھی مکتب کی فضا لیکن
بنتی ہے بیاباں میں فاروق و سلمانی!
فطرت کے مقاصد کی کرتا ہے نگہبانی
یا بندۂ صحرائی یا مردِ کہستانی!

۲۳ اکتوبر کو بعد نماز مغرب ہمارے مہمان مقررین کا عوامی نوعیت کا دوسرا پروگرام تھا۔ آج اس میں ہمارے پہلے مہمان مقرر جناب میجر امین منہاس صاحب، امیر تحریکِ فہم القرآن تھے۔ انہوں نے اپنی تحریک کی پوزیشن واضح کرتے ہوئے فرمایا کہ ہماری تحریک ابھی پہلے تین مراحل میں ہے یعنی دعوت، تنظیم اور تربیت۔ انہوں نے اپنی گفتگو کے آغاز میں ہی یہ بات واضح کر دی کہ "طریقِ کار" کی اصطلاح میرے نزدیک زیادہ اہمیت کی حامل نہیں ہے۔ ان کا کہنا تھا کہ موجود امتِ مسلمہ مکمل طور پر ایک سیکولر نظام میں سانس لے رہی ہے جس کی تین بنیادیں غیر اللہ کی حکمرانی، رزق حرام اور مخلوط معاشرت ہے۔ انہوں نے کہا کہ طریقِ کار کی اہمیت سرے سے ہے ہی نہیں اگرچہ عقل و فکر، سعی و جہد اور وسائل و ذرائع کا استعمال عین دین ہے۔ انہوں نے کہا کہ قرآن و سنت کو سپریم لا بنانا ہماری پہلی ترجیح ہے۔ میجر صاحب نے ایک اور مبہم بات یہ کہی کہ آپ مومن بنائیے، انقلاب خود اللہ لائیں گے۔ ان کی اس بات کو اگر ان کی پوری تقریر کا خلاصہ قرار دیا جائے تو غلط نہ ہو گا۔ ان کے نظریہ کو سامنا رکھا جائے تو تبلیغی جماعت اور ان میں کوئی خاص فرق نہیں ہے۔ ان سے سوال کیا گیا کہ کفر کی اس دیوار کو کیسے گرایا جائے، جس کا انہوں نے جواب یہ دیا کہ اطاعت اللہ اور رسول کی جائے تو دیوار خود بخود گر جائے گی۔ محترم میجر صاحب یہ واضح نہ فرما سکے کہ انقلابی جدوجہد میں رسول کی اطاعت کا منہج کیا ہے۔

شمع محفل تنظیم الاخوان کے امیر مولانا محمد اکرم اعوان سامنے آئے تو حاضرین سے کھچا کھچ بھرا ہوا بلکہ Over flow کرتا ہال ہمہ تن گوش ہو گیا۔ مولانا محمد اکرم اعوان کا ایک مختصر سا تعارف "ندائے خلافت" کے صفحات میں اسی وقائع نگار کے قلم سے پہلے بھی آ چکا ہے۔ مولانا کا تعلق ضلع چکوال کے علاقہ ونہار کے ایک گاؤں منارہ سے ہے۔ مولانا معروف معنوں میں عالم دین نہیں ہیں تاہم اپنی محنت اور خداداد صلاحیتوں سے اچھی علمی استعداد حاصل کر لی ہے۔ ایک سال قبل تک ان کا تعارف سلسلہ اویسیہ نقشبندیہ کے شیخ کی حیثیت سے تھا۔ وہ مولانا اللہ یار چکڑالوی" کے خلیفہ مجاز ہیں۔ ان کے وابستگان کا حلقہ یقیناً ہزاروں کی تعداد میں ہو گا۔ مولانا نے حال ہی میں تنظیم الاخوان کے نام سے ایک تنظیم بنائی ہے جس کا نعرہ "رب کی دھرتی، رب کا نظام" ہے۔ یہی پیغام جو ہمارے دلوں کی دھڑکن ہے، ہمیں مولانا کے قریب لے گیا۔ ہمارے قائد محترم ڈاکٹر اسرار احمد خود منارہ ضلع چکوال جا کر مولانا سے مل چکے ہیں۔ انہوں نے اپنی گفتگو کا آغاز کرتے ہوئے سیرت النبی کے ایک ورق کو الٹتے ہوئے کہا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت محض توحید اعتقادی کی وجہ سے نہ تھی بلکہ اس توحید میں اللہ کی حاکمیت کا اعلان بھی مضمر تھا، جسے مشرکین مکہ اچھی طرح بھانپ گئے تھے۔

مولانا اکرم اعوان نظام معیشت اور نظام تعلیم میں اپنے "پائلٹ پروجیکٹس" کا ذکر بھی کر رہے تھے تاکہ اسلام کو نافذ کرنے والوں کے لئے کوئی نمونہ

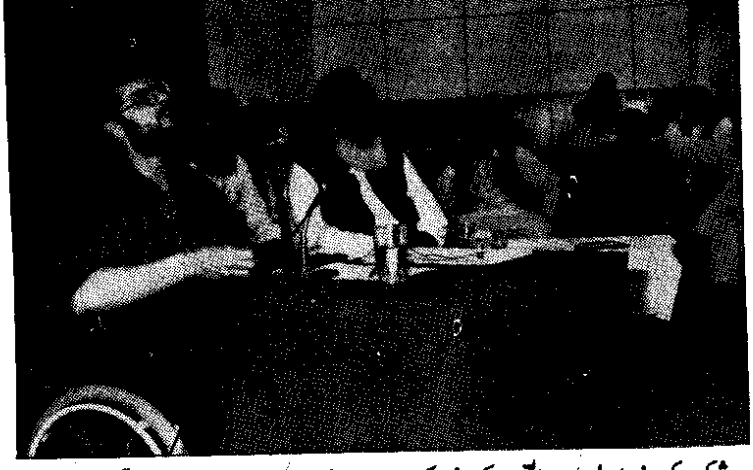

اجتماع میں شرکت کرنے والے حزب التحریر کے وفد کے امیر جناب فرید قاسم "وہیل چیئر" سے آتش نوائی کرتے ہوئے

موجود ہو۔ انہوں نے کہا کہ قوموں کو زوال سے دوچار کرنے کا پہلا اصول اقوام مغرب نے یہ تجویز کیا ہے کہ فی تعلیم کو مادری زبان میں نہ دیا جائے۔ دوسرا قاعدہ و کلیہ یہ ہے کہ طریق تعلیم یکساں نہ ہو جبکہ ہمارے ملک میں طبقاتی نظام تعلیم کی پانچ سطحیں قائم ہو چکی ہیں۔ مولانا نے کہا کہ اس وقت ہماری حالت غلامانِ مصر کی سی ہے اور فراعنہ مصر ہم پر حاکم ہیں۔ اس وقت اصل دشمن کو پہچاننے کی اشد ضرورت ہے۔ مولانا نے منہج کو واضح کرتے ہوئے کہا کہ لوگوں میں موجودہ انتخابی نظام کے خلاف نفرت پیدا کی جائے گی۔ ان کا کہنا تھا کہ انتخابات کے موقع پر ساٹھ فی صد لوگوں کو سڑکوں پر لایا جائے جو بین الاقوامی میڈیا پر واضح کر دیں کہ ہم اس نظام انتخابات سے نفرت کرتے ہیں اور اس عمل میں شریک نہیں ہیں۔ انہوں نے ایک بہت خوبصورت بات یہ کی کہ جسم پر اسلام لانے سے پہلے ملک میں نفاذ نہیں ہو سکتا اور جسم پر ہو جائے تو باطل کو برداشت نہیں کیا جا سکتا۔ مولانا اکرم اعوان صاحب نے تحریک فہم القرآن کے امیر میجر امین منہاس کے قرآن و سنت کو سپریم لاء بنانے کے فلسفہ کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ باطل نظام کی موجودگی میں قرآن و سنت کو سپریم لاء بنانے کا فلسفہ ایسے ہی ہے جیسے کیکر کے درخت سے آم کے پھل کی توقع کی جائے۔

مولانا اکرم اعوان کا طریق کار بنیادی اعتبار سے تنظیم اسلامی کے قریب ہے بشرطیکہ اس مظاہراتی انداز کو محض انتخابات کے موقع تک محدود نہ کیا جائے بلکہ آگے بڑھ کر نظام باطل کو چیلنج بھی کیا جائے۔ مولانا کی تقریر کو بحیثیت مجموعی پسند کیا گیا۔ ان کی گفتگو بناوٹ و تصنع سے یکسر پاک تھی۔ جیسا کہ اس سے پہلے کہا گیا ہے کہ بنیادی طور پر ان کا تعلق ایک سلسلہ تصوف سے ہے لیکن معلوم ہوتا ہے کہ اب وہ اقبال کے اس شعر کا مصداق بننا چاہتے ہیں کہ ؎

نکل کر خانقاہوں سے ادا کر رسمِ شبیری
کہ فقر خانقاہی ہے فقط اندوہ و دلگیری
ترے دین و ادب سے آ رہی ہے بوئے رہبانی
یہی ہے مرنے والی امتوں کا عالمِ پیری

آج کی اس نشست کے اگلے مہمان مقرر مسلک اہل حدیث سے تعلق رکھنے والے پروفیسر حافظ محمد سعید احمد' امیر تحریک دعوت و ارشاد' تھے۔ محترم پروفیسر صاحب نے اپنی گفتگو کے آغاز میں ہی واضح کیا کہ حاکمیت غیر اللہ شرک ہے جبکہ موجودہ جمہوری سیاسی نظام حاکمیت عوام پر اپنی بنیاد استوار کرتا ہے۔ اسوقت عالم اسلام پر چہارجہت سے یلغار ہے۔ اس یلغار کو روکنے کا راستہ صرف قتال ہے۔ انہوں نے کہا کہ جب سے امت مسلمہ نے جہاد و قتال کا راستہ چھوڑا' زوال سے دوچار ہے۔ اس وقت جو فکری و عملی کجی ہمیں نظر آتی ہے یہ پچھلی صدی سے پھیلائی گئی ہے' اس لئے کہ ہم نے جہاد ترک کر دیا۔ انہوں نے جہاد افغانستان کی برکات کا ذکر بھی کیا اور اس کے خلاف مغرب کے پروپیگنڈا کو' جس نے اپنوں کے ذہنوں کو بھی پراگندہ کر دیا ہے' ہدف تنقید بنایا۔ انہوں نے کہا کہ نوجوانوں کی تربیت بھی اسی جہاد کے راستے سے ہو سکتی ہے اور اس بات کی سختی سے تردید کی کہ جہاد نظامِ خلافت کے قیام کے بعد شروع ہو گا۔ ان کا سوال تھا کہ کیا ہم نے نظامِ خلافت کی عدم موجودگی میں نمازِ باجماعت ادا کرنا چھوڑ دی ہے؟ انہوں نے اسلامی انقلاب کے ادوار کی تعیین کی بھی مخالفت کی کہ یہ قرآن و سنت سے ماخوذ نہیں ہیں۔

محترم پروفیسر سعید صاحب سے سوال کیا گیا کہ بوسنیا اور کشمیر میں جہاد کیوں اور پاکستان میں کیوں نہیں' تو انہوں نے جواباً ارشاد فرمایا کہ ایک مسلمان صرف دفاع میں ہاتھ اٹھا سکتا ہے۔ جب پاکستان میں قتال شروع ہو گا تو دفاع کیا جائے گا۔ اگر محترم پروفیسر سعید صاحب کی بات کو مان لیا جائے تو گویا پاکستان میں قیامِ نظامِ خلافت کا ان کے پاس کوئی طریقہ سرے سے موجود ہی نہیں ہے کیونکہ ان کے نزدیک واحد طریقہ قتال ہے جس کی پاکستان میں گنجائش ہی نہیں۔ پاکستان کے بارے میں ان کا کہنا ہے کہ یہاں صرف دعوت کا کام کیا جائے گا۔ گویا نظامِ خلافت کے قیام کی یہاں ضرورت بھی نہیں ہے۔

آخری مہمان مقرر حزب التحریر کے جواں سال رہنما برادر فرید قاسم تھے۔ انہوں نے طریق انقلاب پر گفتگو کو کسی اور موقع کے لئے مؤخر کرتے ہوئے خلافت کی ضرورت و اہمیت اور امت مسلمہ کی موجودہ زبوں حالی پر روشنی ڈالی۔ انہوں نے میجر محمد امین منہاس صاحب کی اس بات پر کہ لندن خلافت کانفرنس ایک نعرہ تھا جس نے کفر کو متحد کر دیا ہے' شدید تنقید کی۔ برادر فرید قاسم نے کہا کہ خلافت محض نعرہ نہیں بلکہ امت مسلمہ کے لئے موت و حیات کا مسئلہ ہے۔ انہوں نے سوال کیا کہ کیا "لا الہ الا اللہ" بھی محض ایک نعرہ ہے؟ برادر فرید قاسم نے اسرائیل کے حوالے سے مسلمان رہنماؤں کے کردار پر بھی شدید تنقید کی۔ انہوں نے کہا کہ کالجوں اور یونیورسٹیوں کے اعلیٰ تعلیم یافتہ نوجوان نظامِ خلافت کی طرف آ رہے ہیں اور مشرق سے خلافت کی خوشبو آنے لگی ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی محسوس فرمائی تھی۔

برادر فرید قاسم کی تقریر کے ساتھ ہی ہمارا یہ عوامی نوعیت کا پروگرام اپنے اختتام کو پہنچا۔ ہمارا یہ پروگرام دونوں دن انتہائی کامیاب رہا۔ قرآن آڈیٹوریم میں محاورتاً نہیں بلکہ واقعتاً تل دھرنے کی جگہ نہ تھی۔ بہت سے لوگوں کو سٹیج پر بٹھایا گیا۔ قریب کے پارک میں شارٹ سرکٹ کے ذریعے بڑی سکرین پر لوگوں کی ایک بڑی تعداد نے یہ پروگرام دیکھا۔ اس کے علاوہ قرآن آڈیٹوریم کے برآمدے میں بھی ٹی وی کی مدد سے بہت سے لوگوں نے فائدہ اٹھایا۔ شروع سے لے کر آخر تک تمام حاضرین انتہائی صبر و سکون کے ساتھ تمام مقررین کو سنتے رہے۔

جیسا کہ اس سے قبل بھی کہا گیا ہے کہ امیر محترم مختلف اوقات میں دوسرے اصحاب علم و فکر کو اپنے

اجتماعات میں اظہار خیال کی دعوت دیتے رہتے ہیں۔ اب کی بار کا پروگرام بھی اسی سلسلہ کی ایک کڑی تھا۔ تمام مہمان مقررین کو سننے کے بعد نہ صرف میں نے بلکہ اکثر رفقاء نے دو باتیں محسوس کی ہیں۔ پہلی بات یہ کہ کسی بھی مہمان مقرر نے دو ٹوک انداز میں' دو اور دو چار کی طرح واضح کرتے ہوئے نظام خلافت برپا کرنے کا طریق نہیں بتایا بلکہ ہمارے بعض بزرگ تو طریق کار کی اہمیت سے ہی انکاری تھے۔ دوسری بات یہ کہ الحمد للہ مہمان مقررین کی گفتگو سننے کے بعد ہمارے رفقاء کو "منہج انقلاب نبوی" پر مزید شرح صدر حاصل ہوا ہے۔ گویا اس پروگرام سے امیرِ محترم نے دو فائدے حاصل کر لئے' ایک یہ کہ ثابت ہو گیا کہ کسی کے پاس کوئی واضح طریق کار سرے سے موجود ہی نہیں ہے۔ دوسرا یہ کہ اپنے رفقاء کی فکر مزید پختہ ہو گئی۔ ان دو فوری نوعیت کے فوائد کے علاوہ اس پروگرام کے بہت دیرپا اثرات اور فوائد بھی ہیں کہ دوسری جماعتوں سے ہمارا قرب بڑھا ہے اور توقع کی جا سکتی ہے کہ وہ حضرات بھی اعلیٰ ظرفی کا مظاہرہ کرتے ہوئے ہمیں اپنے اجتماعات مین اپنی بات رکھنے کا موقع ضرور فراہم کریں گے۔

ان دونوں عوامی نوعیت کے پروگراموں میں امیر محترم محض سامع کی حیثیت سے شریک رہے۔ انہوں نے کسی مقرر کی تلخ و شیریں بات پر اظہار خیال نہیں فرمایا بلکہ اپنے اس حق کو بھی کہ کسی مسئلہ پر وضاحت طلب کرتے' استعمال نہ کیا۔ اگرچہ دوسرے سامعین کے لئے موقع تھا کہ وہ مہمان مقررین سے سوالات کریں۔ تاہم وقت کی قلت کے باعث سامعین کے بہت سے اہم سوالات تشنہ جواب رہے اگرچہ مقررین کو ایک گھنٹہ کا وقت دیا گیا تھا کہ وہ اپنی بات وضاحت کے ساتھ پیش کر سکیں۔

۲۳ اکتوبر کو ایک اور اہم پروگرام یہ تھا کہ محترم جنرل انصاری صاحب' ناظم اعلیٰ تحریکِ خلافت پاکستان نے تحریکِ خلافت کی جنرل باڈی کا اعلان کیا نیز سالانہ کارروائی پڑھ کر سنائی۔ اسی پروگرام میں تحریکِ خلافت کے نظم کے حوالے سے بعض اہم فیصلوں کا اعلان بھی کیا گیا تھا۔ محترم جنرل انصاری صاحب کے بعد امیرِ محترم مدظلہ نے رفقاء سے خطاب کیا اور تحریک خلافت کے نئے نظم اور فیصلوں کے بارے میں چند وضاحتیں کیں۔

اسی روز نماز عصر کے بعد تنظیم اسلامی پاکستان پشاور کے امیر جناب وارث میر صاحب نے مختصر

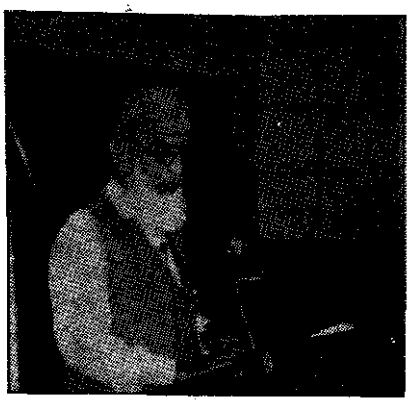

جنرل (ر) ایم ایچ انصاری تحریک خلافت کے بارے میں پالیسی بیان دیتے ہوئے

خطاب فرمایا۔ انہوں نے اپنی گفتگو کے لئے سورۂ صف کے دوسرے رکوع کی ابتدائی آیات کی تلاوت کی۔ انہوں نے کہا کہ اقامت دین کی جدوجہد جہاد کہلاتی ہے اور یہ جہاد کرنے والے مجاہد کہلاتے ہیں۔ اب ہمیں اپنا جائزہ لینا ہو گا کہ کیا واقعتاً ہم مجاہد کہلانے کے مستحق بھی ہیں؟ انہوں نے کہا کہ سالانہ اجتماع میں عرس یا میلے کی طرح رسماً آ جانا ہرگز فائدہ مند نہیں۔ ہمیں اجتماع سے ولولہ تازہ لے کر جانا چاہئے اور اپنے کام کو پہلے سے کہیں تیز کر دینا چاہئے۔ ہمیں محض مدرس نہیں' داعی بننا ہو گا۔

بھائی وارث میر کی تقریر سے پہلے محمد امین شاد رفیق گوجرانوالہ نے ایک خوبصورت نظم پیش کی جس نے دلوں کو گرما دیا۔ نظم کے چند اشعار یہ ہیں :

ہم دینِ محمد کے وفادار سپاہی
اللہ کے انصار و مددگار سپاہی
دشمن سے تیرے ہم کوئی پیماں نہ کریں گے
جینے کے لئے موت کا ساماں نہ کریں گے
رسوائی ملت پہ چراغاں نہ کریں گے
ایسا نہ کریں گے' کبھی ایسا نہ کریں گے

داعیِ شیریں بیاں محمد اشرف وصی

۲۴ اکتوبر کو تنظیم اسلامی کے سالانہ اجتماع کا آخری دن تھا۔ اس روز تنظیم اسلامی کے ملتزم رفقاء قرآن اکیڈمی میں اکٹھے ہوئے جہاں مختلف رفقاء نے کھل کر اظہار خیال کیا۔ اس پروگرام میں تنظیم اسلامی کی پالیسیوں پر تنقید' آئندہ کے لئے تجاویز اور مشورہ کا موقع تھا' جس سے رفقاء نے بھرپور فائدہ اٹھایا۔ تنظیم اسلامی کے مبتدی رفقاء اور احباب کے لئے قرآن آڈیٹوریم میں امیر محترم مدظلہ کے ایک لیکچر کا اہتمام تھا' جو بذریعہ ویڈیو دکھایا گیا۔ یہ لیکچر امیر محترم نے اپنے حالیہ دورۂ امریکہ میں بزبان اردو دیا جس کا موضوع تھا "برعظیم پاک و ہند میں اسلام کی ترویج و تعمیل۔"

۲۴ اکتوبر کے پروگراموں کی دوسری نشست قرآن آڈیٹوریم میں سوا گیارہ بجے شروع ہوئی۔ اس نشست سے جناب مرزا ایوب بیگ' امیر لاہور وسطی

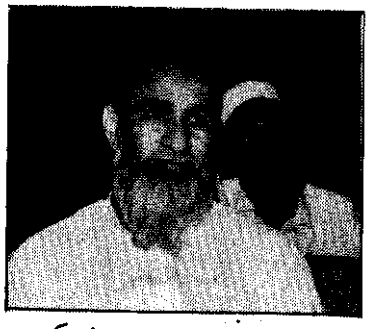

مرزا ایوب بیگ نے سیاسی حالات کا نقشہ کھینچا

کا خطاب بھی طے تھا۔ محترم مرزا صاحب کے خطاب کا موضوع "ملکی و بین الاقوامی حالات کی روشنی میں تنظیم اسلامی کا مطلوبہ کردار" تھا۔ محترم ایوب بیگ صاحب کا یہ دل پسند موضوع ہے لیکن افسوس کہ وقت کی کمی کے باعث تشنہ ہی رہا۔ انہوں نے اپنی گفتگو کا آغاز پاکستانی سیاست سے کیا اور کہا کہ انسانی تاریخ کو سب سے زیادہ مواد پاکستانی سیاست نے دیا ہے۔ پارلیمانی نظام کے باوجود اب تک پندرہ وزراء اعظم گورنر جنرل و صدر گزیدہ رہے ہیں۔ ماضی کی سیاسی تاریخ کا احاطہ کرنے کے بعد محترم مرزا صاحب نے موجودہ سیاسی کشمکش کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ ہماری وزیر اعظم آرمی اور امریکہ (یعنی A.A) کے سارے مطمئن ہیں جبکہ قائدِ حزبِ اختلاف کا کردار فلمی "ولن" کا سا ہے۔ ان کا کہنا تھا کہ ہمارے زوال کی حالت کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ حکومت کے چاروں ستونوں' انتظامیہ' عدلیہ' مقننہ اور صحافت کو گھن لگ چکا ہے۔

امیر تنظیم اسلامی الوداعی خطاب کرتے ہوئے

محترم مرزا ایوب بیگ صاحب نے بین الاقوامی سیاسی حالات کا نقشہ کھینچتے ہوئے کہا کہ سوویت یونین کے کریا کرم کے بعد امریکہ کے دنیا کی سپریم طاقت بن جانے کے باوجود جاپان، کوریا اور چین اسے جھیل گئے ہیں جبکہ مسلمان ممالک امریکہ کے سامنے سجدہ ریز ہیں، جس کا مظہر یہ ہے کہ سب اسرائیل کو تسلیم کرنے کے لئے پر تول رہے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ آخر وہ کونسا کارنامہ ہے جس پر یاسر عرفات کو نوبل پرائز میں شریک کیا جا رہا ہے۔ مشرق وسطیٰ کا ذکر کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ عراق کی حماقتوں سے سفید سامراج کو عرب کی سرزمین پر اپنے پنجے گاڑنے کا موقع مل چکا ہے، جس سے وہ خوب خوب فائدہ اٹھا رہا ہے۔

محترم مرزا ایوب صاحب نے کہا کہ ان عالمی حالات کے پس منظر میں ہمیں اپنی دعوت کو مزید تیز کرنا ہو گا، ہمارے پاس صحیح ترین منہج موجود ہے۔ ہمیں تذبذب کی کیفیت سے نکلنا ہو گا۔ انہوں نے کہا کہ ہر رفیق تنظیم ہر وقت، ہر جگہ، ہر حال میں تنظیم کا نمائندہ ہے لہٰذا ہمیں اپنے ذاتی کردار کو مزید نکھارنا ہو گا۔

ہمارے اس اجتماع کا آخری پروگرام امیر محترم کا رفقاء سے اختتامی خطاب تھا۔ امیر محترم نے اجتماع پر اطمینان کا اظہار کیا۔ انہوں نے نظم و ضبط کو تسلی بخش قرار دیا اور کہا کہ اس سال شرکاء کی تعداد میں اضافہ ہوا ہے۔ گویا ہمارا کام Slow and Steady کے اصول کے تحت صحیح چل رہا ہے۔ امیر محترم نے اپنے اس خطاب میں بہت سے امور کی وضاحتیں کیں تاہم خطاب کا بڑا حصہ رفقاء کو پند و نصیحت پر مشتمل تھا۔ امیر محترم کے خطاب کے بعد اس قافلے میں شامل ہونے والے نئے رفقاء سے بیعت سمع و طاعت لینے کا مرحلہ آیا اور طے پا گیا۔ اس سال بیعت کرنے والوں کی تعداد پچھلے سالوں سے کہیں زیادہ تھی۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ نئے شامل ہونے والے رفقاء کو استقامت کے ساتھ اپنے دین کی اقامت کی جدوجہد کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ OO

KHALID TRADERS
IMPORTERS – INDENTORS – STOCKISTS & SUPPLIERS OF WIDE VARIETY OF BEARINGS, FROM SUPER – SMALL TO SUPER – LARGE
AUTHORIZED AGENTS NTN BEARINGS

PLEASE CONTACT
TEL : 7732952-7735883-7730593
G.P.O. BOX NO. 1178, OPP KMC WORKSHOP
NISHTER ROAD, KARACHI-74200 (PAKISTAN)
TELEX : 24824 TARIQ PK CABLE : DIMAND BALL FAX : 7734776

FOR AUTOMOTIVE BEARINGS : Sind Bearing Agency 64 A-65, Manzoor Square Noman St. Plaza Quarters Karachi-74400 (Pakistan)
Tel : 7723358-7721172

LAHORE : (Opening Shortly) Amin Arcade 42, Brandreth Road, Lahore-54000 Ph : 54169

GUJRANWALA : 1-Haider Shopping Centre, Circular Road, Gujranwala Tel : 41790-210607

WE MOVE FAST TO KEEP YOU MOVING!

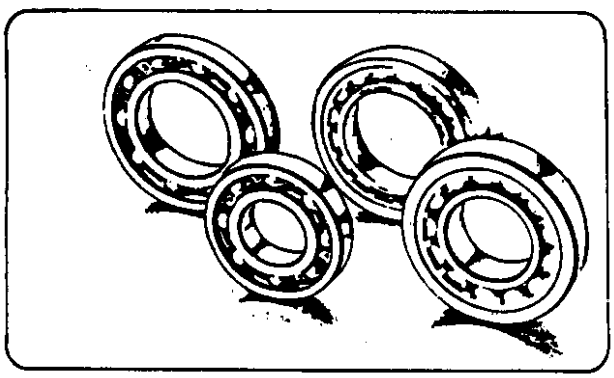

ڈاکٹر اسرار احمد
صدر مؤسس مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور و امیر تنظیم اسلامی
کے دروس و تقاریر کے دو مجموعے اعلیٰ و دیدہ زیب طباعت کے ساتھ
رسول کامل
یعنی پاکستان ٹی وی سے نشر شدہ ۱۲ تقاریر کا مجموعہ اور
فرائض دینی اور اسوۂ رسول
سورۃ احزاب رکوع ۳، ۲ کی روشنی میں

کاش! خلفائے عثمانی نے محلوں کو واقعی سرائے سمجھا ہوتا

اقتدار احمد

یہ قبریں اتنی پختہ ہیں کہ حشر کے دن ہی پھٹیں گی

ہم جس پہلی بس میں سوار ہوئے' اس کا رخ جنوب مغرب کی طرف تھا۔ عزمے نے بتایا کہ یہ ہمیں اسی علاقے میں لے جاکر چھوڑے گی جو سیاحوں کی توجہ کا سب سے بڑا مرکز ہے کیونکہ وہاں قریب قریب واقع ایاصوفیہ' مسجد سلطان احمد' قصرِ توپ کاپی' رومیوں کے بنائے ہوئے 'بل کھاتے ستون' متعدد عجائب گھر اور نہ جانے کیا کچھ پیدل گھوم پھر کر دیکھے جا سکتے ہیں۔ ان میں سے قصرِ توپ کاپی کی تو ہم باقاعدہ سیر کر ہی چکے تھے' مسجد سلطان احمد (نیلی مسجد) میں بھی نوافل ادا کئے' رومیوں کی یادگاروں کو نگاہ غلط انداز سے سرسری سا دیکھا تھا البتہ ایاصوفیہ میں قبل ازیں داخل نہ ہوئے کہ اس پروگرام میں تکان نے ہمیں نڈھال کر دیا تھا اور طرح طرح کے عجائب گھروں سے طبیعت کو مناسبت تھی بھی نہیں۔ تاہم اس وقت ہم نے از خود اِدھر کا قصد نہیں کیا تھا' بس کے ہاتھوں بے بس تھے۔ ہم دونوں بھائیوں کو بیٹھنے کی جگہ مل گئی' عزمے کھڑا رہا۔ ہم نے دو آدمیوں کی سیٹ میں سمٹ کر اسے بھی ساتھ بٹھانے کی کوشش کی لیکن اس نے اسے خلافِ ادب جانا۔ ویسے بھی استنبول اس کا تو دیکھا بھالا تھا جبکہ ہم اگر بیٹھنے کی جگہ نہ پاتے تو بس کی کھڑکیوں کے ذریعے راستے کے مناظر سے کیسے لطف اندوز ہوتے؟۔

استنبول کے قابل دید مقامات کی عظیم اکثریت اس شہر کے یورپی حصے میں ہے۔ دراصل یورپ کی سرزمین پر قدم رکھنے کے بعد ہی اور پھر آگے بڑھتے چلے جانے کے دوران عثمانی ترکوں کا براہِ راست واسطہ رومی عیسائیوں کی عظمتِ رفتہ سے یہیں پڑا تھا جس نے تاریخی عمارات' مجسموں' محلات اور عظیم الشان کلیساؤں کی شکل میں وہ ترکہ چھوڑا جو مسلمانوں کے ذوقِ تعمیر کے لئے مہمیز بن گیا۔ پھر قصر بھی تو بہت بنے لیکن زیادہ زور شخصیت کے مظاہر کے مقابلے میں توحید کے مراکز کی شان کو دوبالا کرنے پر تھا۔ قصر یا محل کے لئے ترکی زبان کا لفظ "سرائے" (SARAİ) کتنا معنی خیز ہے؟۔ ترک سلاطین اور خلفائے عثمانی نے جب تک اپنی ان پرشکوہ فرودگاہوں کو واقعی سرائے دنیا سمجھا جو دل لگانے کی جگہ نہیں ہوتی' ان کے عروج نے بامِ ثریا میں آنکھ مچولی کھیلی۔ کاش وہ حقیقتِ اشیاء کو اسی طرح دیکھتے رہتے جیسے کہ وہ واقعی تھی!۔

"تقسیم سکوئر" سے ان مانوس راستوں پر چلتے ہوئے جن سے ہم ٹورسٹ بسوں اور پبلی ٹیکسیوں میں کئی بار گزرے تھے' ہماری بس نے گلاتا نامی پل سے ہالیچ (خلیج) کو عبور کیا اور "گولڈن ہارن" میں داخل ہو گئی۔ گولڈن ہارن استنبول کے یورپی حصے سے ایشیا کی طرف کو نکلا ہوا خشکی کا ایک ٹکڑا ہے جسے آنہائے باسفورس کی مغرب کے سمت جاتی ایک تنگ سی خلیج ایک موٹے سے سینگ کی شکل دے دیتی ہے۔ یہی سینگ آنہائے باسفورس اور ترکی کے چھوٹے سے داخلی سمندر بحرِ مرمرہ کا مقامِ اتصال بھی ہے۔ گلاتا پل کے نیچے سے باربرداری کے چھوٹے جہاز آسانی سے گزر جاتے ہیں اور کچھ ایسا بھی محسوس ہوا کہ پل کے آس پاس ان جہازوں کی مرمت کے لئے ورکشاپیں بھی ہیں کیونکہ دونوں کناروں کے ساتھ لنگر انداز ان جہازوں کی اکثریت میں سے دمادم ٹھوکا ٹھاکی کی "صدائے کُن فیکون" بلند ہو رہی تھی۔ ہالیچ پر اوپر کی طرف دو پل اور بھی ہیں' ایک اتاترک کے نام سے موسوم ہے اور خاصا آگے جاکر دوسرا بہت بڑا پل موٹروے قسم کی شارع "چیوری یولو" کو خلیج عبور کراتا ہے۔

راستے کی ایک ایک چیز کو ایک سیاح کی نظر سے

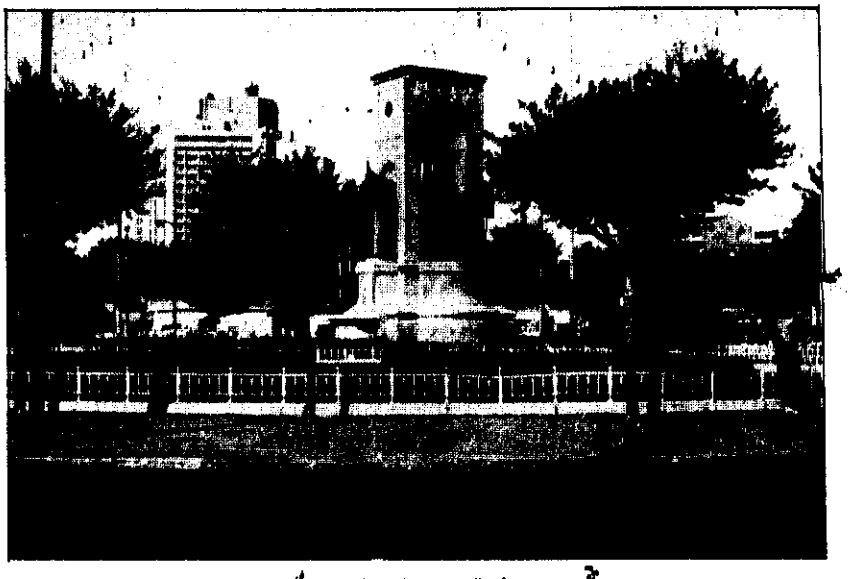

"تقسیم" میں یادگارِ آزادی --- پس منظر میں ہوٹل مرمرہ ہے

دیکھتے ہم آگے بڑھتے گئے۔ میں ہر سٹاپ پر اُترنے اور چڑھنے والوں کے چہرے بھی پڑھتا۔ یہ وہی سفید پوش طبقہ ہے جو غریب ممالک کے امیر شہروں میں محدود آمدنیوں کی چکّی میں امارت اور غربت کے دو پاٹوں کے درمیان پسنے کے لئے وجود میں آتا اور شہری آبادی کے بڑے حصے پر مشتمل ہوتا ہے۔ بوسیدہ مغربی لباس کے ساتھ ساتھ کچھ خواتین و حضرات اور بچے روائتی مقامی پہناوے میں بھی تھے جو مردوں کے لئے بالعموم کوٹ کے نیچے شلوار نما پتلون ہے اور خواتین کی لمبی قمیض کے نیچے دبی بڑے گھیر اور چھوٹے پائنچے والی شلوار۔ بچے ننگے سر' پرانی وضع کی عورتوں کے سر پر رومال کی طرح سکارف بندھا ہوا اور سن رسیدہ مردوں نے عام سی اونی ٹوپی یا پھر دبیز مصنوعی مخمل کی ایک مخصوص ساخت کی ٹوپی اوڑھ رکھی ہے جو اگر نچلے حصے میں دوہری نہ ہو تو ہماری قراقلی کی طرح کی جناح کیپ لگے۔ سانولے سلونے لوگ بہت کم اور سرخ و سپید زیادہ جن میں سے اکثر کی سرخی زندگی کی گاڑی کھینچتے ہوئے زردی کی طرف مائل ہو جاتی ہے۔ بس کے اندر تو اُترتے چڑھتے اسی طرح کی ہڑبونگ ہوتی جو ہم مشرق والوں کے لئے مخصوص سی ہو گئی ہے لیکن یہ بس کے دروازے تک محدود تھی ورنہ باہر سواریاں اُترنے والوں کو راستہ دیتے ہوئے بڑی شائستگی سے باری باری قاعدے قرینے سے بس میں چڑھتی تھیں۔ ایں ہم غنیمت است اور غالباً مغرب کے پڑوس کا اثر ہونے کے علاوہ اس پس منظر کا غماز بھی ہے کہ یہ قوم ہمیشہ آزاد رہی اور آج بھی بظاہر آزاد ہے ورنہ ہمارے یہاں تو اصل معرکہ بس' ویگن یا ریل کے ڈبے میں داخلے کے وقت ہی سر کرنا ہوتا ہے۔

پرانے استنبول میں ایک بوڑھا ترک اپنی دھن میں مگن

میں نے بظاہر آزاد کہا تو اس لئے کہ مغرب کی ذہنی غلامی سے وہ بھی آزاد نہیں اور ان کی معیشت کی رگِ جاں تو براہِ راست پنجۂ یہود میں ہے جنہوں نے ٹھیک پانچ سو سال پہلے ہسپانیہ سے سقوطِ غرناطہ کے بعد اپنا مال سمیٹ کر ترکی میں پناہ لی کیونکہ وہاں بھی عرب اور بربر مسلمانوں کے سایۂ عاطفت نے انہیں عیسائیوں کے ظلم و ستم سے نجات دلائی تھی اور یہاں بھی ترکانِ عثمانی کے دربارِ خلافت میں ہی انہیں اماں ملی۔ اور بنی اسرائیل سے بڑھ کر ناہنجار اور احسان فراموش قوم نسلِ انسانی میں چونکہ پائی ہی نہیں جاتی' ان پناہ گیروں نے موقع پاتے ہی اپنی دولت کے سنہری جال دارالخلافت میں پھیلا دئے اور دیکھتے ہی دیکھتے خلافتِ عثمانیہ کے مالیاتی نظام کو جکڑ لیا۔ اتاترک کے جدید ترکی کی معیشت سے بھی وہ اسی طرح کھیل رہے ہیں جیسے بلّی چوہے سے کھیلتی ہے اور اس کا بدترین مظہر ترکی سکے لیرے کی بے وقعتی ہے۔ سیکولر ترکی کے مسجد' گرجا اور سینیگاگ حکومت کی نظروں میں یکساں محترم ہیں' یہ الگ بات کہ مساجد کے لئے اوقاف کا محکمہ ہے جبکہ عیسائی اور یہودی اپنی عبادت گاہوں کے معاملات خود اپنے ہاتھوں میں رکھتے ہیں۔ یوں حکومت کا مکمل کنٹرول صرف مساجد پر ہے' دوسرے لوگ اپنے ہاں جو چاہیں کہیں اور جیسے چاہیں کریں۔

جس سڑک پر ہم بس سے اترے وہ ایک شارع عام تھی جس کے ایک جانب تاریخی عمارات کا ختم نہ ہونے والا سلسلہ تھا' خوبصورت روشیں تھیں' بیٹھ کر ستانے کے لئے جابجا بنچ رکھے ہوئے تھے اور تھوڑے تھوڑے فاصلے پر کوئی نہ کوئی خوبصورت "کھوکھا" نما دکان بھی تھی' گھاس کے تختوں اور پھولوں کی کیاریوں میں گھری ہوئی۔ کھوکھے کا پنجابی لفظ گراں گزرتا ہے تو اسے آپ انگریزی کا "Kiosk" کہہ لیجئے جو بزبان ترکی "کُشک" بن جاتا ہے۔ ان میں سیاحوں کی دلچسپی کا سامان' ان مقامات کی یاد کو محفوظ کر لینے کے لئے "سووینیر" اور سگریٹ کے علاوہ ہلکے مشروبات و ماکولات فروخت ہوتے ہیں۔ سڑک کے دوسری طرف شہر کا ایک عام حصہ جس میں عوامی زندگی اپنی ڈگر پر رواں ہے' فرنگ کی تہذیب کے اس غازے سے بڑی حد تک محروم جو "تقسیم" کے علاقے میں ہم نے دیکھا۔ سڑک خاصی چوڑی تھی جس کے ساتھ دونوں جانب کشادہ فٹ پاتھ

یہودیوں کی عبادت گاہ سینگاگ میں استنبول کا چیف ربی

موجود ہیں اور پیدل چلنے کے لئے استعمال بھی ہوتے ہیں یعنی ان پر دکانوں اور ورکشاپوں کا قبضہ نہیں۔ ہم خاصی دیر خراماں خراماں انہی فٹ پاتھوں پر چلتے رہے تا آنکہ سیاحوں کے ہجوم معدوم ہونے لگے اور شہری زندگی کی گہما گہمی غالب آ گئی۔ عزے خاموشی سے ہمارا ساتھ دے رہا تھا' اس سے کچھ پوچھنے یا سمجھنے کی ضرورت ہی پیش نہ آئی۔

ٹہلتے ٹہلتے ہمیں ایک چھوٹی (استنبول کے حساب سے) لیکن پرانی مسجد نظر آئی تو اپنی دستی گھڑیوں کو دیکھ کر سوچا کہ محلے کی اس مسجد میں ظہر کی نماز ادا کر لی جائے جس کا وقت شروع ہو چکا ہے۔ قریب پہنچے تو یہ چھوٹی مسجد بھی خاصی بڑی ساری نکلی لیکن تھی آثارِ قدیم کا حصہ ہی۔ وہاں کے عام قاعدے کے مطابق اس کے قریب بھی پختہ اور پتھر کی تراشیدہ الواح والی قبروں کا ایک احاطہ موجود تھا اور اس کے علاوہ ایک "دربار" بھی۔ استنبول کی ہر نمایاں لیکن پرانی مسجد سے ملحق خواص کا ایک قبرستان ضرور ملتا ہے جس میں امراء و رؤسا اور ان کے اہلِ خانہ دفن ہیں۔ سنگین تعویزوں پر انمٹ نقش و نگار کے علاوہ ان قبروں کی الواح پر ترکی کے اصل رسم الخط (یعنی اردو فارسی' نستعلیق) میں مرحوم یا مرحومہ کے کوائف کے ساتھ چند اشعار بھی منقش ہوتے ہیں۔ ان الواح کی شکلوں

میں بھی بڑا تنوع ہے۔ کوئی بالکل گول' کوئی موٹے تختے کی طرح لیکن طرح طرح کے ڈیزائنوں میں اور کوئی محراب نما۔ البتہ پتھر اتنا سخت استعمال ہوا ہے کہ امتدادِ زمانہ ان کے دوام پر کوئی اثر نہیں چھوڑ سکتا۔ ان پر موجود ہر نقش اور ہر لفظ واقعی پتھر پر لکیر ہے۔ اندر دفن حضرات و خواتین کی ہڈیاں تو اب تک خاک میں تبدیل ہو چکی ہوں گی لیکن یہ "لیبل" شاید اس وقت تک سلامت رہیں جب انہیں پھاڑ کر برامد ہوتی انسانوں کی بھیڑ "جنودٌ مجندۃ" کی شکل میں میدانِ حشر کی طرف دوڑ لگائے گی۔

وضو تازہ کرنے کو جی چاہا تو مسجد کے ساتھ ہی واقع "دربار" کے قریب ہمیں اس کے لئے پانی کی ٹونٹیاں مل گئیں جن سے استفادے کے بعد ایک نظر ہم نے اس دربار پر بھی ڈالی۔ پاک و ہند کے مسلمانوں کے لئے ان مزاروں میں کوئی ندرت تو موجود نہیں' یہ ضرور ہے کہ ان پر بے ڈھنگی اور رنگ برنگی جھنڈیوں اور جھنڈوں کا سایہ نہیں ہوتا۔ عجمی اسلام کے یہ مظاہر شاید ایران میں سب سے زیادہ' برصغیر پاک و ہند میں اس سے کم اور ترکی میں تقریباً اتنے ہی لیکن ذرا صاف ستھرے انداز میں ہیں۔ عالمِ عرب میں بھی جزیرہ نمائے عرب کے سوا یہ سلسلہ کم و بیش چل ہی رہا ہے۔ قاہرہ میں خود میں نے ایک مزار پر شرک کا بدترین مظاہرہ اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔

وضو کے بعد برادر محترم نے قبلہ رخ ہو کر اس قبرستان کے باسیوں کے حق میں دعائے مغفرت کی' ہم دونوں ساتھیوں نے ان کا اتباع کیا اور پھر جو مسجد کے مسقف ہال کے دروازے پر پہنچے تو معلوم ہوا کہ اندر داخلے کا تو کوئی امکان ہی نہیں۔ وہ پورا پورا کابلیوں اور پائپوں کی پیڑ (Scaffolding) سے بھرا ہوا یعنی زیرِ مرمت تھا۔ ہماری مایوسی کو بھانپ کر ایک مزدور چٹائی کی دو صفیں لے کر برامد ہوا اور علیک سلیک کے بعد انہیں ہمارے حوالے کرتے ہوئے اشارے سے بتایا کہ یہاں باہر بچھا کر نماز ادا کرلو۔ مسجد کی کرسی کا جو حصہ مسجد کے ہال سے باہر نکلا ہوا تھا' اس پر انہیں آگے پیچھے پھیلا کر برادر محترم امامت کے لئے اگلی صف میں چلے گئے اور میں نے باآواز بلند اقامت کہی تو دو تین ترک بھائی بھی نمودار ہو گئے جن میں سے ایک مزدور مسجد کے اندر سے ہی نکلا تھا۔ ہمارے امام نے عزمے کو سمجھایا اور اس نے اپنے ساتھیوں کو بتا دیا کہ امام مسافر ہے' دوگانہ پڑھے گا چنانچہ ہمیں ان کے سلام پھیرنے کے بعد باقی دو رکعتیں پوری کرنی ہوں گی۔ محسوس ہوا کہ وہ اس صورت حال کے لئے پہلے سے تیار تھے اور اس "دکھرے ٹائپ کے" امام کے پیچھے نماز کا لطف لینا چاہتے تھے۔ دو رکعت کے بعد ہم دونوں بھائیوں نے سلام پھیرا تو مقتدیوں کی تعداد چھ سات ہو چکی تھی۔

عزمے نے اس علاقے میں گھومتے پھرتے ہمیں بتایا تھا کہ استنبول کا یہ حصہ ان پاکستانیوں کا مستقر بھی ہے جو یورپ اور بالخصوص یونان میں غیر قانونی طور پر داخل ہونے کے لئے یہاں آکر ڈیرا ڈالتے ہیں۔ کچھ جہاندیدہ اور چلتے پُرزے پاکستانیوں نے مقامی لوگوں سے مل کر یہ نفع بخش کاروبار خوب جمالیا ہے جس میں ان کے تو پو بارہ ہیں البتہ ان کے متعدد گاہک کشتیوں میں چھوٹے چھوٹے جزیروں کا رخ کرتے سمندر میں غرق بھی ہو جاتے ہیں اور رات کو چھپ چھپا کر یونانی سرحدی محافظوں کو جُل دینے کی کوشش میں گولیوں کے شکار ہو جانا بھی کچھ بہت خلاف معمول نہیں۔ اسی پر بس نہیں' نووارد پاکستانیوں کو اس مرحلے سے بھی پہلے ہی اپنے دامِ تزویر میں پھنسا کر مال و اسباب سے محروم کر دینے والی قیام گاہیں بھی یہاں پائی جاتی ہیں اور استنبول سے واپسی کے سفر میں ایک ایسے ہی نیم تعلیم یافتہ پاکستانی سے ہماری ملاقات بھی ہوئی جو سب کچھ لٹا کر ہوش میں آیا اور اب بالکل ہلکا پھلکا ہو کر محض ہوائی جہاز کا بورڈنگ کارڈ ہاتھ میں تھامے ہمارے ساتھ اس پرواز کی روانگی کا منتظر تھا جس کے ٹکٹ کے لئے اسے اللہ ہی جانے کیا کیا جتن کرنے پڑے تھے۔

اب ہم نے سڑک عبور کر کے سیاحوں کی صف میں شامل ہونے کا سوچا۔ میں مسجد سلطان احمد کی باہر سے ساخت دیکھنا چاہتا تھا اور برادر محترم کا خیال تھا کہ ایک نگاہِ غلط انداز ہی سہی' ایاصوفیہ کے اندرونی حصے پر بھی ڈال ہی لی جائے جو یورپ کے اس حصے میں رومن کیتھولک عیسائیوں کا مایۂ ناز گرجا تھا۔ خلفائے عثمانیہ کے زمانے میں اندر ایک محراب اور باہر میناروں کے اضافے کے ساتھ یہ مسجد بنا اور آخر کمال اتاترک نے اسے یورپ کی خوشنودی کے حصول کی غرض سے "میوزیم" کر دیا یعنی عجائب گھر قرار دے کر رکوع و سجود کی اس میں ممانعت کر دی۔ میں مسجد سلطان احمد کے عظیم الجثہ ڈھانچے (Structure) کے ڈیزائن اور اس کی پائیداری میں کھو کر رہ گیا اور برادر محترم کو بھی اس کی نمایاں خصوصیات کی طرف متوجہ کرتا رہا۔ ٹہلتے ٹہلتے ایاصوفیہ تک پہنچے تو معلوم ہوا کہ داخلے کا وقت ختم ہو چکا ہے۔ اتوار کو سیاحوں کا اژدہام اتنا زیادہ ہو جاتا ہے کہ بعد میں ضروری صفائی کے لئے وقت بھی زیادہ درکار ہوتا ہے چنانچہ یہ عجائب گھر نسبتاً جلدی بند کرنا پڑتا ہے۔ ہمیں اس میں خیر کا پہلو یہ نظر آیا کہ داخلے کے ٹکٹ پر اٹھنے والے ہزار ہا ترکی لیرے ہم نے بچا لئے تھے۔

سو اب چہل قدمی کے سوا ہم کرتے بھی کیا۔ کھوکھوں کے علاوہ راستوں کے دونوں طرف جا بجا لگے خوانچوں پر دنیا جہان کی چیزیں فروخت ہو رہی تھیں لیکن ظاہر ہے کہ ضروریاتِ زندگی سے ان کا تعلق نہ تھا کیونکہ وہ تو سیاح خواتین و حضرات کے پرس اور جیب کو ہلکا کرنے کی غرض سے سجائی گئی تھیں۔ ہم بھی اس بازار سے گزرے ضرور لیکن خریدار نہیں تھے' ہاں "اوپن ائر" قسم کی "ونڈو شاپنگ" ہم نے بھی کر لی جس پر گرہ سے کچھ نہیں جاتا۔ چلتے چلتے اس پست آہنی جنگلے تک پہنچے جو سیاحتی علاقے کو اس فٹ پاتھ اور سڑک سے الگ کرتا ہے جس کے پار عام آبادی ہے تو ایک ریل گاڑی درمیانی رفتار سے گزرتی دیکھی۔ قصر توپ کاپی کے ریستوران میں ظہرانے کا لطف اٹھاتے ہوئے کسی گزرے دن میں سے نیچے جھانک کر یہ تو دیکھا تھا کہ ایک ڈبل ٹریک ریلوے لائن بحر مرمرہ کے ساحل کے ساتھ ساتھ چلتی ہے اور ان پر رواں دواں ریل گاڑیاں بھی نظر آئی تھیں لیکن اس اونچائی تک یہ کیسے پہنچی؟ تجسس نے ہمیں زیادہ دیر پریشان نہ کیا کیونکہ چند ہی قدم چل کر ہم اس ریلوے لائن کے ایک پلیٹ فارم پر کھڑے تھے جس پر سے گزرنے والی گاڑی کی پچھاڑی ابھی نگاہوں سے اوجھل نہ ہوئی تھی۔

یہ پلیٹ فارم ریلوے کے عام سٹیشنوں جیسا ہی تھا' انتظار میں بیٹھنے کے لئے بنچ بھی تھے اور مقابل کے پلیٹ فارم سے آمدورفت کے لئے ویسا پل بھی جو ہمارے ہاں بھی تقریباً ہر سٹیشن پر موجود ہوتا ہے لیکن نہ کوئی سگنل' نہ ٹکٹ کی فروخت کے لئے کوئی کھڑکی اور نہ کوئی ریل بابو جو باہر جانے والوں کے ٹکٹ چیک کرتا۔ عزمے سے پوچھا کہ یہ کیا ماجرا ہے تو پتہ چلا کہ یہ تماشا بغیر ٹکٹ کے دیکھا جا سکتا ہے۔ "مفت راچہ گفت"۔ ہم اپنے بوجھل قدموں کو قدرے آرام دینے کی غرض سے ایک بنچ پر جا بیٹھے تاکہ اگلی ٹرین کے انتظار میں ٹانگوں کو مزید زیر بار نہ کریں۔ سوچا کہ یہ مفت کی سیر تو ضرور کی جانی چاہئے۔ پندرہ بیس منٹ

میں وہی ریل گاڑی واپس آتی نظر آئی جو تھوڑی دیر پہلے ہی گزری تھی۔ سٹیشن پر یہ ذرا کی ذرا کو رکی اور الگ الگ دروازوں سے خلقِ خدا کا دخول و خروج ہوا لیکن اندر کھوے سے کھوا چھل رہا تھا۔ عزے نے پھر ہمت کی اور ہمیں تو کسی نہ کسی طرح بٹھا ہی دیا' خود ہم پر ڈھال بن کر کھڑا ہو گیا تاکہ دھکا پیل کے اثرات ہم تک نہ پہنچیں۔ اس خالص "عوامی ایکسپریس" کے روٹ کی کل لمبائی ایک کلومیٹر یا بہت سے بہت میل بھر ہوگی جس میں دونوں طرف کے ٹرمینل ملا کر کُل چار سٹیشن ہیں۔ سیاحوں کے ہجوم کے اوقات میں یہ اپنے دونوں ٹرمینلوں کے درمیان مسلسل حرکت میں رہتی ہے۔ کسی بھی سٹیشن سے جو چاہے سوار ہو اور جہاں چاہے اُتر جائے۔ کرایہ اس لئے نہیں لیا جاتا کہ یہ محلے کی مقامی آبادی کے لئے ایک سہولت ہے جو سیاحت کے ذریعے بہت موٹی رقمیں کمانے والا استنبول انہیں بھیڑ بھاڑ سے بچانے کی غرض سے مفت فراہم کرتا ہے۔ سیاحوں پر بھی کوئی پابندی نہیں' وہ بھی یہاں کے مزدور کے پسینے کی بُو سونگھنا چاہیں تو ٹکٹ کے بغیر اس سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔

ہم نے ٹرین میں اتنا وقت گزارا کہ اس کے رُوٹ کے دونوں سروں کو گویا ہاتھ لگا کر وہیں آ اُترے جہاں سے سوار ہوئے تھے۔ اس مختصر سے سفر میں استنبول کی عام آبادی کا ایک عمومی منظر یعنی ایک Cross Section سا دیکھنے میں آیا۔ یہاں بھی طفل و جواں اور مرد و زن چاہے نیم مغربی لباس میں ہوں' اسی مشقت میں مبتلا ہیں جو ہم مشرق والوں کا مقدر ہو گئی ہے۔ ویسے تو انسان پیدا ہی مشقت اٹھانے کے لئے کیا گیا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے سورۃ البلد میں فرمایا "اور (ہم کو قسم ہے) باپ کی اور اس کی اولاد کی کہ ہم نے انسان کو مشقت میں پیدا کیا ہے"۔ رشتہ و پیوند نے آدمی کے گلے میں کتنے بھاری طوق اور ہاتھوں پیروں میں کیسی بیڑیاں ڈال دی ہیں۔ وہ ہانپتا کانپتا مہد سے لحد تک کا سفر کیسے کیسے بوجھ اٹھائے پورا کرتا ہے اور اس میں مغرب مشرق کا فرق بس اتنا ہے کہ وہاں اس میں تفریح کا بھی کچھ عنصر داخل کر دیا گیا اور یہاں بوجھوں مرتے انسانوں کو پیشانیوں سے پسینا پونچھنے کی بھی فرصت میسر نہیں۔ یہ زندگی نہیں گزارتے' زندگی انہیں گزارتی اور اگلی منزل پر جا پٹختی ہے جہاں منکر نکیر اپنے گرز تھامے ان کے منتظر ہوتے ہیں۔ اللہ کے نیک بندوں کا معاملہ البتہ مختلف ہے۔ وہ بھی رہتے اسی دنیا میں ہیں لیکن پھول میں خوشبو کی طرح اور یہ نیکی کچھ ایسی ناقابلِ حصول شے بھی نہیں' بس اپنے نفس میں ڈیرا ڈالے شیطان کو قرآن کی شمشیر سے ذرا کر اپنا تابع فرمان بنانا ہوتا ہے' اسے مسلمان کرنا پڑتا ہے!۔

ہم غیر روائتی سیاحوں کے لئے اتنی ہی سیر بہت تھی۔ ٹرین سے اُتر کر قریب ترین بس سٹاپ سے ہم نے ویگن قسم کی ایک چھوٹی بس پکڑی جس کی کھڑکیوں کے شیشے بڑے بڑے تھے لیکن یہ سفر منزل کے تعین کے بغیر نہ تھا۔ ہم "تقسیم سکوئر" میں اپنے مرمرہ ہوٹل کا رخ کر رہے تھے۔ (باقی باقی)

بقیہ : پریس ریلیز

نہیں تو نظام اسلام کا ہوگا' اسلام کی بالادستی قبول کرو اور جزیہ ادا کرو۔ اس صورت میں ہر شخص کو اپنے اپنے مذہب پر عمل کرنے کی آزادی ہوگی۔ اور اگر یہ بھی نہیں تو پھر کھلی جنگ ہوگی' ہم بزورِ شمشیر اسلامی نظام قائم کریں گے۔ ہاں! یہ الگ بات ہے کہ مسلمان کمزور ہوں' دبے ہوئے ہوں' اتنی طاقت نہیں کہ اللہ کے دین کی سربلندی کے لئے میدان میں آ سکیں تو طاقت کے حصول کی خاطر مہلت حاصل کرنے کے لئے وقتی طور پر کفار کے ساتھ معاہدہ بھی کیا جا سکتا ہے۔ لیکن کفر اور اسلام کے مابین گٹھ جوڑ اور مستقل مفاہمت' یہ تو سرے سے اسلام کی نفی ہے۔

ڈاکٹر صاحب نے دیر میں کل کے پر تشدد واقعات پر اپنی تشویش ظاہر کرتے ہوئے حکومت سرحد کے تاخیری حربوں کی سخت مذمت کی اور اس بات پر دکھ کا اظہار کیا کہ تحریک نفاذ شریعت کے مشتعل ہونے اور جانی و مالی نقصان کے بعد ہی حکومت کو اپنا وعدہ یاد آیا۔ تاہم انہوں نے کہا کہ نفاذ اسلام کے لئے ایک مضبوط اور منظم ملک گیر جماعت ضروری ہے جو الیکشن اور تشدد' دونوں سے ہٹ کر پرامن مظاہروں کے ذریعے موجودہ نظام کو ختم کر کے اسلام کا مکمل نظام قائم کرے۔ ڈاکٹر صاحب نے وزیراعظم صاحبہ کے پیرس میں دیئے گئے اس بیان کی بھی سخت مذمت کی جس میں اسرائیل کو تسلیم کرنے کا عندیہ ظاہر کیا گیا ہے۔ اور کہا کہ اگر تمام عرب ممالک بھی اسرائیل کو تسلیم کر لیں تب بھی پاکستان کو اسے تسلیم نہیں کرنا چاہئے کیونکہ پاکستان قائم ہی اسرائیل کے توڑ کے لئے ہوا ہے۔ اس موقع پر تمام حاضرین نے ہاتھ اٹھا کر ڈاکٹر صاحب کے موقف کی بھرپور تائید کی۔OO

○

جلتا ہے مگر شام و فلسطیں پہ مرا دل
تدبیر سے کھلتا نہیں یہ عقدۂ دشوار!
ترکانِ جفا پیشہ' کے پنجے سے نکل کر
بیچارے ہیں تہذیب کے پھندے میں گرفتار!

—— اقبال

بقیہ : حدیثِ امروز

دائم و مسلسل غفلت و کوتاہی کی یہ شامت ہم پر نازل ہو کر رہنی تھی اور اس سے قطعاً کوئی فرق واقع نہ ہوتا کہ اس نازک مرحلے میں عنان حکومت میاں نواز شریف کے ہاتھ میں تھی یا بے نظیر بھٹو کے دست حنائی میں!۔

اس تناظر میں دیکھئے تو سب سے زیادہ مضحکہ خیز "حکمت عملی" ان مذہبی و دینی کم سیاسی زیادہ جماعتوں کی نظر آتی ہے جو اب بھی ہتھیلی پر سرسوں جمانے اور تھوک سے گلگلے پکانے کی منصوبہ بندی کر رہی ہیں اور صرف کار روائی نہیں ڈال رہیں' ان کے رہنما شہر شہر گھوم کر اخبارات پر بیانات کی بارش بھی کرتے ہیں۔ ان کی یہ "پھرتیاں" تب کوئی نتیجہ برآمد نہ کر سکیں جب حالات نسبتاً سازگار اور معمول پر تھے' اب تہ در تہ بحرانوں پر کون سا تیر چلا سکیں گی؟۔ انہیں کون سمجھائے کہ حاضر و موجود نظام کی اصلاح اور اسے چلانے والے ہاتھوں کی تبدیلی کی کوئی کوشش ان بدلتے حالات میں ممکن ہو گی نہ سودمند اور اتفاقات کی دنیا کی کسی الٹی سیدھی گردش نے اسے ممکن بنا بھی دیا تو موثر قطعاً نہیں ہو سکے گی۔ اس میں سے خیر نہیں' شر ہی برآمد ہوگا!۔ ملک و قوم کے حقیقی بہی خواہوں اور خصوصاً ان حلقوں کو جو اسلام کو پاکستان کی وجہ جواز اور استحکام کی واحد ضمانت سمجھتے ہیں' اپنی توجہات اب کسی ایسے انقلابی عمل پر مرکوز کرنی ہوں گی جو ایک ہمہ جہت و ہمہ گیر اسلامی انقلاب کا راستہ ہموار کر دے یا پھر اپنی قربانیوں کے زور پر خود عوامل و داعیات انقلاب کو ہی اتنا ہی منہ زور بنا دے کہ وہ اپنا راستہ آپ بنائے' راہ کی رکاوٹوں کو خس و خاشاک کی طرح اڑا کر رکھ دے' بہا لے جائے۔OO

ضربِ مومن

——— نجیب صدیقی

باطل پر اِک ضرب لگائیں کاری ——— آؤ مل کر
ہر سُو شیطانوں کے سائے
راہ کے کانٹے کون ہٹائے
دکھ کی بپتا کس کو سنائے
یہ کیسی اندھیاری
باطل پر اک ضرب لگائیں کاری ——— آؤ مل کر

ملک بنایا دین کی خاطر
فرمانروا ہیں کتنے شاطر
بیچ دیا باطل کے ہاتھوں
یہ کیسی ہشیاری
باطل پر اک ضرب لگائیں کاری ——— آؤ مل کر

دین کا سودا کر کے آئی
ظلم و فحاشی بھر بھر لائی
کوئی ہے جو شور مچائے
کیسی ہے ناری
باطل پر اک ضرب لگائیں کاری ——— آؤ مل کر

عریانی ہر سُو پھیلی ہے
شرم کی چادر بھی میلی ہے
غیرت اپنے منہ کو چھپائے
روتی ہے بیچاری
باطل پر اک ضرب لگائیں کاری ——— آؤ مل کر

جاگتوں کو اب کون جگائے
میرے جگر نے خوب کہا ہے
گھٹ گئے انساں بڑھ گئے سائے
شامت ہے یہ ہماری
باطل پر اک ضرب لگائیں کاری ——— آؤ مل کر

تنظیم اسلامی کے سالانہ اجتماع پر جلسہ خلافت باغ بیرون موچی گیٹ لاہور کی اخباری تصاویر

Dr Israr Ahmad addressing the annual meeting of Tanzeem-i-Islami outside Mochi Gate on Friday.--Staff photo

WEEKLY "NIDA-E-KHILAFAT" LAHORE
36-K, Model Town Lahore- 54700 Regd:No L. 9184

پریس ریلیز

میثاقِ مدینہ کو اسلامی ریاست کے آئین کا حصہ قرار دینا خلطِ مبحث ہے

ڈاکٹر اسرار احمد نے بے نظیر کی طرف سے بے پردگی کی حمایت کی پرزور مذمت کی

ضرورت نظام بدلنے کی ہے' نفاذ شریعت کی پرتشدد تحریکیں گھاٹے کا سودا ہیں

لاہور ۔ ۴ / نومبر: ۔ میثاقِ مدینہ کو درمیانی مدت کا عارضی اور وقتی دستور تو قرار دیا جاسکتا ہے اس کو اسلامی ریاست کے مستقل آئین کی حیثیت ہرگز حاصل نہیں۔ یہ بات ڈاکٹر اسرار احمد امیر تنظیم اسلامی نے مسجد دارالسلام باغ جناح میں خطابِ جمعہ کے دوران کہی۔ اپنی بات کی وضاحت کے لئے ڈاکٹر اسرار احمد نے میثاقِ مدینہ کے متن کا حوالہ بھی دیا۔ قیام پاکستان کی جدوجہد کے حوالے سے امیر تنظیم اسلامی نے کہا کہ پاکستان کے قیام کے لئے لاکھوں جانوں اور عصمتوں کی قربانی محض اس لئے دی گئی تھی کہ مسلمان ایک علیحدہ قوم ہیں اور انہیں ایک الگ ملک اس لئے درکار تھا کہ وہ اسلام کے مطابق وہاں زندگی بسر کر سکیں' بلکہ عہد حاضر میں اسلام کے اصول حریت' اخوت اور مساوات کا ایک عملی نمونہ دنیا کے سامنے پیش کر سکیں۔ اور یہ اس وقت ہوا جب پوری دنیا میں مادہ پرستی' سیکولر نظام حکومت اور وطنی قومیت کا غلبہ تھا۔ گویا اسلام کی بنیاد پر علیحدہ قومیت کے حوالے سے پاکستان کا قیام دراصل پہلے دن سے عالمی سطح پر رائج تصورات کے یکسر خلاف تھا۔ یہی وجہ ہے کہ پاکستان کے قیام کے ساتھ ہی یہاں دینی اور سیکولر طاقتوں کی رسہ کشی کا آغاز ہو گیا جو آج تک جاری ہے۔ ایک طرف مذہبی جماعتیں اور علماء کا طبقہ ہے جو یہاں اسلام کی بالادستی کا خواہاں ہے اور دوسری طرف جدید تعلیم یافتہ اور دانش ور حضرات ہیں جو سیکولرزم کے علمبردار ہیں اور جن کا ملکی معاملات میں اثر و رسوخ اس درجے ہے کہ حکومتی معاملات بالفعل انہی کے ہاتھوں میں ہیں۔ عوام کا معاملہ بین بین کا ہے' جذباتی لگاؤ اسلام کے ساتھ ہے مگر عملاً دنیاوی مفادات حاوی ہیں۔ اس رسہ کشی کا نتیجہ یہ ہوا کہ ملک میں مسلسل جمود کی کیفیت طاری ہے جو ملکی ترقی کے راستے کی سب سے بڑی رکاوٹ ہے۔

لیکن اب صورت حال یہ ہے کہ یہاں دینی سیاسی جماعتوں کی غلط حکمت عملی اور پھر جنرل ضیاء الحق مرحوم کے نیم دلانہ اور معذرت خواہانہ اقدامات کی وجہ سے مذہبی طبقات کی سیاسی حیثیت بالکل ختم ہو کر رہ گئی ہے اور ملک بڑی تیزی سے سیکولرزم کی راہ پر چل نکلا ہے۔ ان حالات سے فائدہ اٹھا کر بعض دانش ور حضرات جو سیکولرازم کے حامی ہیں اب کھل کر اپنے لادینی نظریات کا پرچار کرنے لگے ہیں اور قائداعظم اور علامہ اقبال کو سیکولر ثابت کرنے کی کوشش کے ساتھ ساتھ انہوں نے اسلام کی من مانی تاویلیں بھی کرنا شروع کر دی ہیں۔ ان میں علامہ اقبال کے فرزند ہونے کے ناطے ڈاکٹر جاوید اقبال خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ یہ حرکت ہمارے نزدیک نہایت قابل تشویش ہے۔ وہ اگر یہاں اسلام نہیں چاہتے نہ سہی' مگر اسے مسخ کرنے کی کوشش تو نہ کریں۔ جہاں تک معمار پاکستان قائداعظم کا تعلق ہے انہیں اگر کوئی شخص سیکولر قرار دے تو میرے نزدیک اس کا کسی قدر جواز موجود ہے۔ تاہم نظریہ پاکستان کے لئے ان کا حوالہ دینا صحیح نہ ہوگا۔ وہ یقیناً ایک کھرے انسان تھے' انہوں نے کبھی مصنوعی طور پر مذہب کا لبادہ نہیں اوڑھا۔ مگر وہ ایک مدبر اور سیاستدان تھے۔ ان کے پیش نظر مسلمانوں کو ہندوؤں اور انگریزوں کی غلامی سے نجات دلانا تھا۔ احیاء اسلام کا کام ان کے پیش نظر نہیں تھا۔ اس لئے نظریات کا جہاں تک تعلق ہے ان کے لئے علامہ اقبال کا حوالہ لانا ہوگا جو مفکر و مصور پاکستان تھے۔ اور یہ کون نہیں جانتا کہ علامہ اقبال بیسویں صدی میں احیاء اسلام کے سب سے بڑے علمبردار تھے۔

انہوں نے کہا شخصیات سے بھی آگے بڑھ کر قرآن و حدیث پر طبع آزمائی میرے نزدیک سخت تشویشناک ہے۔ سیرت سے میثاق مدینہ کو بنیاد بنا کر پورے اسلام کے اصل تصور کی نفی کر دینا ایک بہت بڑی جسارت ہے۔ جبکہ میثاق مدینہ کی حیثیت اسلام کے انقلابی مراحل میں محض ایک وقتی حکمت عملی کی تھی۔ اسے اسلام کے ایک مستقل قانون کے طور پر پیش کرنا سوائے مغالطہ آمیزی کے اور کچھ نہیں۔ نبی اکرم ﷺ کی حیات طیبہ میں ہم دیکھتے ہیں کہ اس انقلابی جدوجہد کے مراحل کے اعتبار سے مختلف اوقات میں مختلف فیصلے کئے گئے جن کی حیثیت محض عارضی اور وقتی ہوتی تھی۔ مکہ میں مسلمانوں کے لئے اپنی مدافعت میں بھی ہاتھ اٹھانا منع تھا' جبکہ مدینہ میں مسلسل جنگیں لڑی جا رہی تھیں۔ حدیبیہ میں بظاہر دب کر صلح کی گئی' لیکن ایک وقت آیا کہ مشرکین مکہ خوشامدیں کرتے رہے لیکن نبی ﷺ نے صلح کے معاہدہ کی تجدید فرمانے سے انکار کر دیا۔ ان میں سے کس کو آپ مستقل قانون کہیں گے؟ مزید برآں میثاق مدینہ سے مخلوط قومیت کے لئے دلیل لانا بھی قطعی غلط ہے' اس لئے کہ اس کے پہلے جملے میں ہی واضح طور پر مسلمانوں کو ایک علیحدہ امت قرار دیا گیا ہے۔ اس بات کی مزید وضاحت کرتے ہوئے ڈاکٹر صاحب نے کہا کہ کفار کے بارے میں قرآن کا آخری اور ابدی حکم سورۂ توبہ میں آیا ہے جو ۹ھ میں نازل ہوئی تھی۔ اس کی ابتدائی آیات میں صاف اعلان کر دیا گیا کہ اب تمام سابقہ معاہدے منسوخ کئے جا رہے ہیں۔ اس سورت میں واضح طور پر کفار اور مشرکین کے خلاف جنگ کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور اسلامی ریاست میں بسنے والے یہودیوں اور عیسائیوں کے لئے جزیہ ادا کرنے اور چھوٹے ہو کر رہنے کا حکم ہے۔ اس کی عملی صورت وہی تھی جو خلافت راشدہ میں صحابہ رضوان اللہ علیہم نے اختیار کی' یعنی اسلام قبول کر لو تو تم ہمارے برابر کے مسلمان ہوگے۔ یہ

(باقی صفحہ ۲۲ پر)